ثوابت علی درب الجہاد

امام انور العولقی حفظہ اللہ کے انگریزی لیکچر کی تحریری نقل از مجاہد فی سبیل اللہ حفظہ اللہ کا اردو ترجمہ

راہِ جہاد کے مستقل عناصر

تحریر:

یوسف بن صالح العییری رحمہ اللہ (شہید باذن اللہ تعالیٰ)

لیکچر سیریز: امام انور العولقی حفظہ اللہ

اردو ترجمہ: بنت الاسلام حفظہا اللہ

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

Website : http://www.muwahideen.tk

Email : info@muwahideen.tk

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ثوابت علی درب الجهاد

امام انور العولقی حفظہ اللہ کے انگریزی لیکچر کی تحریری نقل از مجاہد فی سبیل اللہ حفظہ اللہ کا اردو ترجمہ

راہِ جہاد کے مستقل عناصر

تحریر:

یوسف بن صالح العییری رحمہ اللہ (شهید باذن الله تعالیٰ)

لیکچر سیریز: امام انور العولقی حفظہ اللہ

اردو ترجمہ: بنت الاسلام حفظہا اللہ

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

Website : http://www.muwahideen.tk

Email : info@muwahideen.tk

فہرست

❀❀❀❀

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''شہید کو اللہ کی طرف سے سات تحائف عطا ہوتے ہیں:

① خون کا پہلا قطرہ بہنے پر اس کی بخشش ہو جاتی ہے۔ ② وہ جنّت میں اپنا مقام دیکھ لیتا ہے۔ ③ وہ ایمان کے لباس میں ملبوس کر دیا جاتا ہے۔ ④ وہ عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔ ⑤ وہ یومِ قیامت کے ہولناک خوف سے محفوظ ہو جائے گا۔ ⑥ اس کے سر پر عزّت کا تاج پہنایا جائے گا۔ ⑦ وہ اپنے خاندان کے 70 افراد کی شفاعت کرے گا۔''

[مسند احمد، طبرانی، الترغیب والترہیب، صفحہ 443 جلد 2]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں شہداء میں قبول فرمائے! آمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مدیر کے قلم سے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الحمدُ للہ، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں یہ موقع عنایت فرمایا ہے کہ ہم یہ کتاب ان مؤمنوں کو فراہم کریں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اِس پُکار کا یا تو جواب دے چکے ہیں یا جواب دینا چاہتے ہیں۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ رَسُولِهِ وَ تُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَ أَنْفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝﴾

[الصّف 61: 12-10]

''اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت بتلا دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا لے؟ ۝ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں علم ہو! ۝ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور تمہیں ان جنتوں میں پہنچائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور صاف ستھرے گھروں میں جو جنت عدن میں ہوں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے! ۝''

'ثوابت علی درب الجهاد' جہاد کے موضوع پر عربی زبان کی دورِ حاضر کی کتب میں سے بہترین کتاب ہے۔ اسے شیخ یوسف العییری رحمہ اللہ نے لکھا تھا۔ شیخ یوسف بہت کم عمری میں روسیوں کے خلاف لڑنے افغانستان میں چلے گئے۔ جو لوگ انہیں جانتے تھے وہ ان کے بارے میں بیان کرتے کہ وہ ایک انتہائی ذہین شخص تھے جسے ہر میدان میں ہر قسم کی اسلحہ سازی پر اعلیٰ دسترس حاصل تھی اور وہ اس تمام اسلحے کی تربیت دینے میں بھی خاصی مہارت رکھتے تھے۔ بعد ازاں، وہ جزیرہ نمائے

عرب میں واپس روانہ ہو گئے جہاں انہوں نے چیچن مجاہدین کی خدمت کا سلسلہ جاری رکھا اور ان کے لئے مالی وسائل جمع کرتے رہے۔ کچھ عرصے کے بعد ان کو گرفتار کر کے کچھ سالوں کے لئے قید میں ڈال دیا گیا۔ قید میں انہوں نے بخاری اور مسلم (کتبِ احادیث) حفظ کر لیں۔ جب وہ قید سے آزاد ہوئے تو انہوں نے چند کتب تحریر کیں؛ ہر کتاب ہی اپنی جگہ ایک اعلی شاہکار ہے۔ ان کی تحریروں میں قرآن و سنّت سے حوالہ جات کی گہرائی اور روزمرّہ واقعات کے حوالے نظر آتے ہیں۔ وہ بعدازاں قتل کر دیئے گئے اور جزیرہ نمائے عرب میں سیکیورٹی فورسز کے ہاتھوں شہید کیے گئے؛ ہم اللہ ﷻ سے دعا گو ہیں کہ ان کو بطور شہید قبول فرمائے، آمین۔

امام انور العولقی حفظہ اللہ نے اس کتاب کو اپنی لیکچر سیریز کے ذریعے دوبارہ زندگی بخشی ہے۔ یہ بہت ہی تفصیلی لیکچر سیریز ہے جو ہمارے وقت سے انتہائی تعلق رکھتی ہے کیونکہ خلافت کا کہیں وجود نہیں اور بہت سے مسلمان یہ دعوی کرتے ہیں کہ 'یہ جہاد کا وقت نہیں ہے۔' علاوہ ازیں، بہت سے مسلمان جو اگرچہ کہ اس امر کا ادراک رکھتے ہیں کہ خلافت کا قیام فرض ہے، ان میں سے اکثر مسلمان اور اسلامی تحریکیں بدقسمتی سے دین کو سمجھنے کے سلسلے میں عین مغربی نقطہ نظر پر انحصار کرنے کا رویہ رکھتے ہیں۔ جہاد کا نظریہ ایسا ہے کہ جس پر عمل کرنا 'خطرناک' سمجھا جاتا ہے۔ ان کا اللہ ﷻ پر توّکل نہیں ہے، اور ان میں سے اکثر مسلمان یہ پرچار کرتے پائے جاتے ہیں کہ ابھی ہمیں مزید ایمان اور یقین کی ضرورت ہے! درحقیقت، اللہ ﷻ پر توّکل خودبخود مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے جب بندہ اللہ ﷻ کی خوشنودی کے حصول کے لئے قدم آگے بڑھاتا ہے چونکہ ہم ایک حدیثِ قدسی کے توسّط سے جانتے ہیں کہ جب اللہ ﷻ کا کوئی بندہ اس کی جانب ایک قدم آگے بڑھے گا تو اللہ ﷻ اس کی جانب کئی قدم بڑھیں گے! اس کے علاوہ ان (مغرب زدہ مسلمانوں) کے نزدیک جہاد اصل میں (کسی بھی اور مفہوم سے زیادہ) اندرونی جہد اور کاوش ہے۔ یہ مغربی تبلیغ کے ذریعے پھیلایا گیا جہاد کا ایک انتہائی مسخ شدہ تصور ہے اگرچہ کہ لغوی اعتبار سے درست ہے۔ تاہم، اسلامی نقطہ نظر سے جہاد کا مجموعی مفہوم اللہ ﷻ کی خاطر لڑنا (جہاد فی سبیل اللہ) ہے۔ قبل از اسلام، صلوٰۃ کا عربوں کے استعمال میں تھا؛ اس کا مطلب تھا

دعا۔ لیکن جب اسلام آیا، تو اس نے اس لفظ کا مفہوم اس عبادت میں تبدیل کر دیا جسے ہم اب جانتے ہیں (یعنی نماز)، اگرچہ کہ لغوی اعتبار سے اس کا مفہوم دعا ہی ہے۔ یہی معاملہ جہاد کے ساتھ بھی درپیش ہے۔ پہلے اس کا اللہ ﷻ کی راہ میں لڑنے سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن جب اسلام آیا تو اس نے واضح طور پر اس (لفظ) کا مفہوم تبدیل کر دیا۔ کوئی یہ جرح کر سکتا ہے کہ قرآن تو جہاد کا لفظ 'کوشش کرنے' کے لئے استعمال کرتا ہے۔ یہ سچ ہے، جیسا کہ ہم قرآن کی کئی آیات میں دیکھتے ہیں۔ تاہم، جیسا کہ ہم نے کہا، جہاد کا مجموعی طور پر اطلاق تبدیل ہو چکا ہے، جبکہ لغوی مفہوم وہی ہے جو اصل میں تھا۔ مثال کے طور پر جب نبی ﷺ نے فرمایا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس کی موت واقع ہوگئی اور اس نے جہاد نہ کیا اور نہ اس کے دل میں اس کی تمنّا ہوئی تو وہ نفاق کی حالت پر مرا۔'' [صحیح مسلم: 3533]

کیا وہ ﷺ یہاں اندرونی کاوش کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ایک اور مثال لیجیئے:

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

''جب تم سودی تجارت (عینہ) کرنے لگو گے اور گائے بیلوں کی دمیں پکڑ لو گے، اور کھیتی باڑی (کی زندگی) میں (مگن ہو کر) مطمئن ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تمہارے اوپر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جو وہ اس وقت تک نہیں ہٹائے گا جب تک تم اپنے اصل دین (حقیقی اسلام) کی طرف واپس نہ لوٹ آؤ۔'' [سنن ابو داؤد: کتاب 32، نمبر 3455]

کیا اس کی کوئی منطق بنتی ہے کہ کہا جائے کہ یہاں جہاد سے مراد 'کوشش کرنا' ہے اور قتال نہیں ہے؟ یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ جب ہم جہاد پر عمل ترک کر دیتے ہیں تو کیا ہوتا ہے؛ اور آج ہم کوشش کرتے ہیں کہ جہاد کے عقیدے کی اصل شکل کو مسخ کر کے اسے محض اندرونی کاوش کے طور پر پیش کریں اور اس کا صرف بال برابر تعلق قتال سے قائم کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم پر ذلّت و رسوائی مسلّط ہو گی...... آج

ہمیں یہ نشاندہی کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ذلّت ورسوائی سے کیا مراد ہے، یہ بہت عرصے سے ہم پر مسلّط ہو چکی ہے۔ دین اسی وقت نافذ ہوگا جب اسلام پر بعینہٖ اس انداز میں عمل کریں جس انداز میں اس پر عمل کرنے کا بتایا گیا تھا، اور وہ ہے جہاد کرنا چاہے امام موجود ہو یا نہ ہو۔ یہ حدیث ایک اور ثبوت ہے کہ ہمیں محض شہریوں کی طرح جینے سے گریز کرنا چاہیئے بلکہ سپاہیوں کی طرح جینا چاہیئے۔ یہ بات اس کتاب میں آگے جا کر وضاحت کے ساتھ سمجھ آسکے گی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: 'کیا جہاد کے برابر کوئی عمل ہے؟' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: 'ہاں' مگر تم وہ کر نہیں سکو گے۔' تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'مجاہد کے برابر وہ شخص ہے کہ جو مجاہد کے واپس آجانے تک مسلسل روزے اور نماز میں مشغول رہے۔' [صحیح مسلم]

صحیح بخاری میں روایت یوں ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص (نام نامعلوم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: 'مجھے ایسا کام بتلایئے جو ثواب میں جہاد کے برابر ہو۔' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'ایسا کوئی کام میں نہیں پاتا' پھر فرمایا: 'کیا تو یہ کرسکتا ہے کہ جب مجاہد جہاد کے لئے نکلے تو مسجد میں جائے، برابر نماز میں کھڑا رہے، ذرا دم نہ لے، برابر روزے رکھے جائے، افطار نہ کرے؟' اس نے کہا 'بھلا ایسا کون کرسکتا ہے؟' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: 'مجاہد کا گھوڑا جو رسّی میں بندھا ہوا زغن مارتا ہے تو مجاہد کے لئے نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔' [صحیح بخاری: جلد 4' کتاب 52' نمبر 44]

بالفاظِ دیگر، مجاہد کے جہاد سے واپس آجانے تک۔ اندرونی/نفس کی کاوش سے واپس آنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مزید برآں، اگر ہم جہاد کے موضوع پر مستند کتب کا مطالعہ کریں تو وہ بالعموم اسے 'کتاب القتال' نہیں کہتے بلکہ 'کتاب الجہاد' کہتے ہیں، جیسے ابن قدامۃ رحمہ اللہ کی 'المغنی' امام الشافعی رحمہ اللہ کی 'الام'، امام مالک رحمہ اللہ کی 'المدونۃ'، الخرشی، العیش اور الحطب رحمہم اللہ کی 'مختصر خلیل' پر تین شرح، ابن حزم رحمہ اللہ کی 'المحلّی'، ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی 'سبل السلام'، 'نیل الاوطار'، 'الفتاوی الکبری'۔

جہاد اس دین کا وہ عنصر ہے جسے کفّار قطعاً ناپسند کرتے ہیں؛ وہ آپ کے نماز پڑھنے اور ماہِ رمضان کے روزے رکھنے کا برا نہیں مناتے لیکن جہاد ان کے دلوں میں دہشت برپا کر دیتا ہے۔ آج خبروں میں 'دہشت گردی' کا لفظ اکثر اوقات جہاد کی جانب اشارہ کر رہا ہوتا ہے۔ ایسا اس لئے کیا جاتا ہے تا کہ مسلمانوں کو خوفزدہ کر کے اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے اس فرض کی ادائیگی سے دور کر دیا جائے جس کے بارے میں وہ سُبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَ هُوَ خَيْرٌ لَكُم وَعَسَى أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لا تَعْلَمُونَ﴾ [البقرة2:216]

(مسلمانو) تم پر (اللہ کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے، وہ تمہیں ناگوار تو ہوگا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو، (اور ان باتوں کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ایک سچّے مؤمن کے لئے صرف ذیل میں دی گئی احادیث پر غور وفکر کر لینا ہی یہ قبول کر لینے کے لئے کافی ہوگا کہ جہاد اسلام کی اعلیٰ ترین انتہاء ہے اور یہ ایک ایسا عمل ہے جو نہ صرف ایک مقصد (یعنی خلافت) کے حصول کے لئے کیا جاتا ہے بلکہ یہ صومِ رمضان کی طرح بذاتِ خود/فی نفسہٖ اپنا مقصد رکھتا ہے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تبوک سے واپس آ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کہا، 'اگر تم چاہو تو میں تمہیں معاملے کا اصل، اس کا ستون اور اعلیٰ ترین مقام بتا سکتا ہوں۔' میں نے کہا: 'جی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'معاملے کا اصل اسلام، اس کا ستون نماز، اور اس کا اعلیٰ ترین مقام جہاد ہے۔' [صحیح بخاری: جلد 4' کتاب 52' نمبر 44، ترمذی 2616]

سلمۃ بن نفیل رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: 'اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑوں کی تحقیر کی جا رہی ہے

اور ہتھیار پھینک دیئے گئے ہیں اور لوگ دعویٰ کر رہے ہیں کہ اب اور کوئی جہاد نہیں اور اب جنگ کا اختتام ہو چکا۔' رسول ﷺ نے فرمایا: 'وہ جھوٹ بول رہے ہیں! لڑائی کا تو ابھی آغاز ہوا ہے! لڑائی کا تو ابھی آغاز ہوا ہے! میری امت کی ایک جماعت حق پر لڑتی رہے گی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان لوگوں کی طرف سے کچھ لوگوں کے دلوں کو گمراہ کر دیں گے اور انہی کے ذریعے سے لڑنے والوں (مجاہدین) کو (رزق) عطا فرمائیں گے تا آنکہ قیامت قائم ہو جائے گی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا وعدہ سچا ثابت ہو جائے گا، اور گھوڑوں کی پیشانیوں پر تا قیامت خیر باندھ دی گئی ہے۔ مجھے (بذریعہ وحی) یہ بتایا جا رہا ہے کہ میں جلد تم لوگوں سے جانے والا ہوں......؟؟؟ اور مؤمنوں کا مسکن (آخر کار) الشّام میں ہوگا''۔

[نوٹ: الشّام سے مراد سوریا، لبنان، فلسطین، اور اردن ہیں۔ اس سے مراد یہ تمام ممالک یا ان کے کچھ حصّے لی جا سکتی ہے۔ یہ حدیث امام النّسائی سے مروی ہے اور حسن ہے۔ نمبر 3333]

النّسائی کی شرح میں السِندی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

'''گھوڑوں کی تحقیر' سے مراد ہے ان کو نظر انداز کرنا اور ان کی اہمیت و درجہ گھٹا دینا یا انہیں مقابلے کے لئے استعمال نہ کرنا۔ 'لڑائی کا تو ابھی آغاز ہوا ہے! لڑائی کا تو ابھی آغاز ہوا ہے!'......ان الفاظ کی تکرار سے بات کی اہمیت پر زور دینا مقصود ہے اور اس سے مراد ہے کہ لڑائی میں تو محض اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے اور یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تو اس کا حکم دیا ہے تو پھر یہ اتنی جلد ختم کیسے ہو سکتی ہے؟ یا پھر اس سے مراد یہ ہے کہ اصل لڑائی تو اب شروع ہوئی ہے' کیونکہ ابھی تک تو وہ صرف اپنے علاقے میں لڑ رہے تھے' عرب کے علاقوں میں' لیکن اب وقت آ چکا تھا کہ وہ اس لڑائی کو دیگر علاقوں کی جانب بڑھائیں۔ 'اللہ سبحانہ وتعالیٰ کچھ لوگوں کے دلوں کو گمراہ کر دیں گے' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مؤمنوں کی اس جماعت کو ہمیشہ لڑنے کے لئے لوگ فراہم کرتے رہیں گے، چاہے اس کے لئے ان (لوگوں) کے دل ایمان سے کفر کی جانب گمراہ کر دیئے جائیں۔ غرضیکہ ان مؤمنوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں لڑنے اور اس کی رضا جوئی میں قطعی راضی رہنے کا اعزاز بخشا جائے گا۔ 'خیر گھوڑوں کی پیشانیوں پر ہے' سے مراد

ہے اجر اور مالِ غنیمت، یا اعزاز اور فخر۔ **'اور مؤمنوں کا مسکن (آخرکار) الشّام میں ہوگا'** سے مراد اخیر زمانہ ہے۔ یہ اسلام کا مرکز اور جہاد کا میدان ہوگا۔''

زید بن اسلم رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'جہاد سرسبز و شاداب رہے گا جب تک کہ آسمان سے بارش برستی رہے گی۔ اور لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ جب ان میں سے قرآن خواں یہ کہیں گے: 'یہ جہاد کا وقت نہیں ہے۔' پس جو کوئی اس وقت کو دیکھے تو (جان لے کہ) یہ جہاد کا بہترین وقت ہے۔' لوگوں نے کہا: 'یا رسول اللہ ﷺ کیا کوئی واقعی ایسا کہے گا؟' آپ ﷺ نے فرمایا: 'ہاں، وہ جس پر اللہ نے لعنت کی ہو گی، اور فرشتوں اور تمام انسانوں نے۔'

[ابن ضامنین رحمہ اللہ سے اصول السنہ میں مرسل روایت ہے، اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے اسے انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے]

[اس حدیث کی سند ابن عساکر میں اس طرح ہے: **عن هشام بن عمارنا ابی عمار بن نصیربن میسرة بن ابان الظفري نا عباد بن کثیر عن یزید الرقاشی انس بن مالک عن النبی ﷺ الحدیث**............ اس حدیث کی دوسری سند: **رواہ ابوعمرالداني فی الاحادیث الواردة فی الفتن: حدثنا عبدالملک قال حدثنا الطلحی عن عبدالرحمن بن زید بن اسلم عن ابیه ان رسول الله ﷺ ......الحدیث**. اس حدیث کی سند میں یزید الرقاشی ضعیف اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کذاب ہے ۔(ویب ماسٹر: الموحدین ویب سائٹ)]

یہ حدیث اپنے پڑھنے والوں کو تعجب میں ڈال دیتی ہے۔ آج ایسے بہت سے لوگ ہیں جو کہیں گے 'یہ جہاد کا وقت نہیں ہے۔' یہ جہاد کے میدانوں سے گریز کرنے کا ایک عالمگیر اور تاریخی عذر ہے، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کے وقت میں بھی۔ چہ جائیکہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'یہ جہاد کا بہترین وقت ہے!' جہاد تا قیامت جاری رہے گا۔ اس کتاب کو پڑھنے کے دوران ہمیں اس بات کی بخوبی سمجھ آ سکے گی، انشاءاللہ۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'فتن اور ابتلاء آیا چاہتے

ہیں۔تاریک رات کے ٹکڑوں کی مانند فتن۔ان سے محفوظ ترین شخص وہ ہوگا جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہائش پذیر اپنی بھیڑوں کے ریوڑ پر انحصار کر رہا ہوگا، یا وہ گھڑ سوار جو اپنی تلوار پر انحصار کر رہا ہوگا'۔ [رواہ الحاکم]

سبحان اللہ! سب سے پہلی بات کہ ہم مغرب میں کر کیا رہے ہیں؟ مسلمانوں میں سے محفوظ ترین وہ ہوگا جو برے (اور دجّالی) معاشرے سے دور گوشہ نشینی اختیار کیے صرف اللہ ﷻ کی عبادت میں مصروف رہے گا یا وہ جو اپنی تلوار پر انحصار کر رہا ہوگا اور فی سبیل اللہ لڑ رہا ہوگا اور جہاد کی زندگی بسر کر رہا ہوگا۔ان دونوں کے علاوہ کچھ اور چارہ نہیں۔ (مغرب میں رہائش پذیر) کچھ (مسلمان) دعوت وتبلیغ کا عذر پیش کرتے ہیں، جو شریعت کے مطابق ایک جائز عذر ہے۔تاہم، دعوت وتبلیغ سے مراد نوح علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ ہے جو مستقل بنیادوں پر، دن رات اللہ ﷻ کا دین پھیلانے کا باعث تھی۔ بہرحال، وہ مسلمان جن کو امیر المؤمنین کی طرف سے کفّار کے علاقوں میں روانہ کیا جاتا وہ آج کے کوئی عام متوسط قسم کے مسلمان نہ ہوتے؛ وہ بہترین مسلمان ہوتے اور اکثر اوقات علماء ہوتے۔ہم کفّار کے علاقوں میں رہائش کا معقول جواز پیش نہیں کر سکتے، خصوصاً جب کہ پہلی بات یہ کہ ہمیں کسی امیر کا حکم نہیں ہے کہ یہاں رہ کر دعوت وتبلیغ کا کام کریں۔ پھر یہ کہ ہم دعوت وتبلیغ کی یہ کیسی مثال قائم کر رہے ہیں کہ جب ہم کفّار کے تہذیب وتمدّن اور طریقوں کو اپناتے ہیں اور اس عمل کا یہ جواز فراہم کرتے ہیں کہ ہم اسلام کو قابلِ قبول بنا کر پیش کر سکیں۔ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف الصالحین رحمہم اللہ کا یہ طریقِ کار رہا تھا؟ کیا انہوں نے کبھی ان چیزوں کی پیروی کی جن کی پیروی کفّار کرتے تھے؟ کیا انہوں نے اپنے آپ کو کبھی کسی عام کافر کی مانند دنیا کی زندگی میں مگن ہونے دیا؟ ان مسلمانوں نے تو اپنے لباس تک میں کبھی غیر مسلموں کی وضع اختیار نہ کی۔ وہ معاشرے میں منفرد مقام قائم رکھتے تھے۔مغرب میں دعوت وتبلیغ ہماری اہم ترین ترجیح نہیں ہے۔ ہماری اوّلین ترجیح واپس اپنے مسلم ممالک میں جا کر ان کی مدد کرنا ہے، خصوصاً اس وقت میں جبکہ جہاد فرض العین ہے۔ہمیں اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لاتے ہوئے کفّار کے علاقوں (میں رہائش) کو ترک کر دینا چاہیئے اور واپس آ کر اپنے مسلمانوں کی

جہاد کے ذریعے دوبارہ اسلام (اصل صورت میں) نافذ کرنے میں مدد کرنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '**جو کسی مشرک (غیر مسلم) کے ساتھ مل جائے اور اس کے ساتھ رہائش اختیار کرلے تو وہ بھی اسی کی مانند ہے۔**' [ابوداؤد، الترمذی]

جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے بیان فرماتے ہیں (کہ انہوں ﷺ نے فرمایا): '**میں ہر اس مسلمان سے لاتعلق اور بیزار ہوں جو مشرکین کے درمیان جا کر رہتا ہے۔**' ہم نے دریافت کیا: '**وہ کیوں یا رسول اللہ ﷺ؟**' آپ ﷺ نے جواب دیا: '**ان کو ایک دوسرے کی آگ نظر نہیں آنی چاہئے۔**' [ابوداؤد/ترمذی: 155/4 عن جریر بن عبداللہ حدیث صحیح ہے]

کچھ یہ حجت پیش کریں گے کہ 'میں تو مغرب میں ہی پیدا ہوا تھا؛ اب بھلا کہاں جاؤں؟' خیر اگر آپ اس بات کا ادراک رکھتے ہیں کہ مغرب آپ کا اصل ملک نہیں اور یہ بالعموم کافروں کی سرزمین ہے اور یہ حقیقتاً اسلام سے میڈیا/ذرائع ابلاغ اور میدانِ جنگ دونوں سطحوں پر نبرد آزما ہے، تو پھر آپ کا یہ فرض ہے کہ یا تو ان سے بزورِ تلوار لڑائی کریں یا پھر کسی مسلم ملک میں چلے جائیں (اگر ممکن ہو تو) اور جہاد کریں۔

کچھ یہ حجت پیش کریں گے کہ 'ہم مذہب کی بنیاد پر کی جانے والی ایذاء رسانی ے بچنے کے لئے بھاگ کر یہاں (پناہ حاصل کرنے کے لئے) آئے ہیں؛ اس ملک میں زیادہ آزادی ہے۔' یہ کفّار کی سرزمین میں بسنے کے لئے قطعاً معقول جواز نہیں ہے۔ اولاً، کفّار کے علاقے ویسے بھی آپ کو اسلام پر مکمل طور پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ کیا وہ آپ کو جہاد کرنے کی اجازت دیتے ہیں؟ کیا وہ آپ کو حدود اللہ نافذ کرنے کی اجازت دیتے ہیں؟ کیا وہ آپ کو کھلے عام مجاہدین اور اسلام کے خلاف لڑنے والوں کو برا بھلا کہنے کی اجازت دیتے ہیں؟ اگر نہیں، تو پھر ہم کس قسم کے اسلام پر عمل پیرا ہیں؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿...أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾[البقرة2:85]

”...(یہ) کیا (بات ہے کہ) تم کتاب (اللہ) کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کیے دیتے ہو، تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں، ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں اور جو کام تم کرتے ہو، اللہ ان سے غافل نہیں“۔

ثانیاً، اگر آبائی وطن میں ایذاءرسانی ہو رہی تھی تو پھر اس کے تدارک کے لئے گمراہ اور شر کے مرتکب افراد کے خلاف جہاد ہونا چاہیئے تھا نہ کہ کفر نافذ کرنے والوں کے سامنے ایک عاجزانہ رویہ اختیار کیا جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’اللہ کی راہ میں بہترین جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔‘[سنن ابوداؤد، کتاب 37، نمبر 4330] اگر آپ جانتے ہیں کہ ایسا کرنا بے سود رہے گا تو پھر آپ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں؟ نبی ﷺ سے ظالم حکمرانوں کی بابت دریافت کیا گیا: ’کیا پھر ہمیں ان کے خلاف مزاحمت نہیں کرنی چاہیئے؟‘ آپ ﷺ نے فرمایا: ’نہیں‘ جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں۔‘ مطلب یہ کہ جب تک وہ اسلام کے مطابق حکمرانی کرتے رہیں۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بھی عہد کے بارے میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’کہ تم اہلِ اقتدار لوگوں سے اختلاف نہیں کرو گے‘ سوائے اس کے کہ ان سے واضح کفر کا ارتکاب دیکھو جس کے لئے تمہارے پاس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے واضح دلیل موجود ہو۔ [بخاری، مسلم و دیگر کتب احادیث]

ایک لمحے کے لئے شریعت سے قطع نظر ذرا صرف منطقیت سے کام لیتے ہوئے سوچتے ہیں۔ اگر آپ کے بچّے ہوں جو سرزمینِ کفر میں رہ رہے ہوں جہاں دن رات کفر کا پرچار ہوتا ہے اور اسے ایک اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، تو پھر کیا ہوتا ہے؟ آپ کے بچّوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے جب حرام، شرک، کفر، زنا وغیرہ جیسے امور کو ’تفریحی اور دلچسپ‘ کا عنوان دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی ان نسلوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے جو کفّار کی سرزمینوں میں رہتی ہیں؟ کیا وہ ان کی تقلید نہیں کرنے لگیں گے؟ کیا وہ ان میں سے ایک نہیں بن جائیں گے؟ کیا ہم یہ اثر پہلے ہی ان کے چہروں پر نہیں دیکھ

رہے (یعنی داڑھی منڈوانا، بے حجابی)؟ اور حتی کہ وہ جو کفر کی ان قوتوں کے خلاف کوشاں ہیں، کوئی ان کے بارے میں کیسے کہہ سکتا ہے کہ وہ کفر کے خلاف قلبی کشاکش میں مبتلا ہیں جبکہ اس کے لئے وہ اس نظام کے خلاف کوئی تگ و دو نہیں کر رہے جو کہ سارے کا سارا معاشرتی- سیاسی- اقتصادی طور پر بے لگام انداز میں کفر کی بنیادوں پر قائم ہے اور غیر مسلم اسے چلا رہے ہیں؟ کچھ یہ حجّت پیش کریں گے کہ 'ہم اس ملک میں جہاد بالنّفس کرنے کے لئے رہ رہے ہیں۔ یہاں رہنے سے ہمارا نفس مضبوط ہوگا'۔ یہ ایک انتہائی بودا اور احمقانہ جواز ہے۔ پہلی تین نسلوں اور پہلے وقتوں کے اسلاف رحمہم اللہ جو کفّار کے علاقوں میں رہائش پذیر تھے، ان سب میں کوئی ایک بھی جہاد بالنّفس کی ایسی مثال نہیں ملتی۔ اگر انہیں جہاد بالنّفس کرنا ہوتا تو وہ نوافل کی ادائیگی اور تلاوتِ قرآن میں کثرت کرتے، اور اہم ترین صورت یہ ہوتی کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کرتے۔ ماہِ رمضان کے روزے بھی بندے کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے قریب تر لاتے ہیں؛ یہی معاملہ جہاد فی سبیل اللہ کا ہے چونکہ موت مؤمن کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔ (لہٰذا) وہ اپنی نیّت کو پاک و صاف کرنے اور اعمال (صالحہ) میں کثرت اور بھرپور اضافہ کرنے کی جلدی میں ہوتا ہے۔

چونکہ یہ کتاب یا اس کا دیباچہ ہجرت کے موضوع کی وضاحت سے متعلق نہیں ہے، لہٰذا ہم اس موضوع کو یہیں پر ختم کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمہیں بخش دے اور جنّت میں داخل کر دے؟ تو پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں لڑو'۔ [ترمذی اور احمد]

اس سے زیادہ آسان لفظوں میں اور کیا بات ہوسکتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں شہداء میں شامل فرمائے، آمین!

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص (نام نامعلوم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: 'مجھے ایسا کام بتلایئے جو ثواب میں جہاد کے برابر ہو' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'ایسا کوئی کام میں نہیں پاتا' پھر فرمایا: 'کیا تو یہ کر سکتا ہے کہ جب مجاہد جہاد کے لئے نکلے تو تو مسجد

میں جائے، برابر نماز میں کھڑا رہے، ذرا دم نہ لے، برابر روزے رکھے جائے، افطار نہ کرے؟
'اس نے کہا' بھلا ایسا کون کر سکتا ہے؟' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: 'مجاہد کا گھوڑا جو لمبی رسّی میں بندھا ہوا زغن مارتا ہے تو مجاہد کے لئے نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔' [صحیح بخاری: جلد 4 ' کتاب 52 ' نمبر 44]

اللہ اکبر! حتی کہ مجاہد کا گھوڑا جو چرتا پھرتا ہے تو وہ بھی اس مجاہد کے لئے ثواب کا باعث بن جاتا ہے!

جہاد کے موضوع پر بہت سی احادیث ہیں جو کہ تمام اس دیباچے میں احاطہ تحریر میں نہیں لائی جاسکتیں۔ تاہم ایک کتاب جس کو ہم ان تمام لوگوں کو پڑھنے کے لئے پرزور تجویز کریں گے جو اس موضوع اور آج کے دور میں لڑنے کی دلیل میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس کتاب کا عنوان 'مشارع الاشواق الی مصارع العشّاق' ہے اور یہ امام و عالم و مجاہد و شہید شیخ أبو زکریا، احمد بن ابراهیم بن محمد، الشافعی الدمشقی المیاطی، المعروف بہ 'ابن النحاس' رحمہ اللہ (وفات 814ھ) نے لکھی۔ یہ جہاد پر لکھی جانے والی مشہور و مستند ترین کتب میں سے ایک ہے۔ اس کتاب پر بھی ایک لیکچر سیریز امام انور العولقی حفظہ اللہ نے مرتب کی ہے۔ ان کی اس لیکچر سیریز کا عنوان 'ابن الاقوی کی کہانی' (The Story of Ibn al Akwa) ہے۔

جہاں تک اس کتاب 'ثوابت علی درب الجهاد' کا تعلق ہے، میں نے (امام انور العولقی حفظہ اللہ کی) لیکچر سیریز کا مسودہ کتابی شکل میں نقل کیا ہے۔ آپ اس کتاب میں جو پڑھیں گے وہ ننانوے فیصد امام حفظہ اللہ کا بیان ہی ہے، صرف ایک فیصد میری جانب سے اضافے ہیں تا کہ دیگر احادیث، آیات، مثالوں اور اقوال کے استعمال کے ذریعے مختلف موضوعات کے درمیان تعلق کو مزید آسان فہم بنایا جاسکے۔ مزید برآں، بجائے اس کے کہ میں ان کے بیان کی لفظ بہ لفظ تحریری نقل مرتب کرتا، میں نے قارئین کو بہتر اور واضح انداز میں پیغام پہنچانے کے لئے اپنے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ اصل لیکچر میں بہت سی باتوں کو مکرّر کہا گیا تھا، لہٰذا ان کو اختصار کے ساتھ قلمبند کیا گیا ہے۔ میں نے

عناوین کا بھی اضافہ کر دیا ہے تا کہ قارئین کو کسی خاص موضوع کے متعلق حوالہ ڈھونڈ ھنے میں آسانی ہو۔

آخر میں، میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ ہم سب کو اپنی راہِ مستقیم کی ہدایت عطا فرمائے؛ ان لوگوں کا راستہ جو اس کی خاطر جدو جہد کرتے ہیں۔ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ ہمیں ان لوگوں میں سے بنا دے جو اس کی راہ میں لڑتے اور اپنی جانیں قربان کرتے ہیں۔

میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ ہمیں ان لوگوں میں سے بنا دے جنہیں وہ شہداء کے طور پر قبول فرماتا ہے۔ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ شیخ یوسف العییری رحمہ اللہ کو اس افضل ترین عبادت، جو اللہ کا کوئی بندہ کر سکتا ہے، پر ایسا سبق آموز اور علمی مواد لکھنے پر جنّت عطا فرمائے۔ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ امام انور العولقی حفظہ اللہ کو ان کی کوششوں کے عوض، جو انہوں نے اس شیخ کے الفاظ کی وضاحت بیان کرنے کے لئے اور انہیں ایسے وقت میں دوبارہ زندگی بخشنے کے لئے کیں کہ جب جہاد کو نظر انداز کیا جا رہا ہے، جنّت عطا فرمائے۔ بالآخر، میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اس کتاب کو محض علم کا ہی نہیں بلکہ عمل کا بھی مصدر بنا دے۔ آمین یا ربّ العالمین!

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مجاہد فی سبیل اللہ (حفظہ اللہ)

خالد بن الولید رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اگر میری شادی ایک خوبصورت عورت سے ہونی ہوتی جس سے مجھے محبت ہوتی، یا اگر مجھے ایک نومولود بیٹے کی خوشخبری دی جاتی، تو یہ (باتیں) میرے دل کے لئے اس امر سے کم پسندیدہ ہیں کہ میں یخ بستہ رات میں ایک فوج کے ہمراہ ہوں جس نے دن کو دشمن کا سامنا کرنا ہو۔ میں تمہیں جہاد پر جانے کی نصیحت کرتا ہوں۔''

یہ ہیں خالد رحمہ اللہ کے الفاظ ان کی وفات سے قبل۔ [ابن المبارک رحمہ اللہ]

غزوۃ مؤتۃ میں عبد اللہ بن رواحۃ رضی اللہ عنہ نے مسلم فوج کے تیسرے سپہ سالار کے طور پر کمان سنبھالی۔ ان کے ایک عمزاد نے انہیں خشک گوشت کا ایک ٹکڑا دیا اور کہا: 'اپنے آپ کو اس سے تقویت دو، آج دن بھر تم نے بہت کچھ کیا!' انہوں نے اسے لے کر ابھی ایک ہی نوالہ لیا، پھر اپنے آپ سے کہا ''تم ابھی تک اس دنیا میں ہو!' اور فوراً وہ گوشت کا ٹکڑا پھینک دیا اور پھر تا دمِ مرگ لڑتے چلے گئے۔

ابو مثنی العبدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو خصاصیۃ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا: 'میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں ان کے ساتھ بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیعت لی کہ 'شہادت دوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، پانچ وقت کی نمازیں ادا کروں، ماہِ رمضان کے روزے رکھوں، زکوٰۃ ادا کروں، حج کروں، اور اللہ کی راہ میں لڑوں۔' میں نے کہا: 'یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ' ان میں سے دو میں نہیں کر سکتا۔ پہلے زکوٰۃ۔ میرے پاس صرف دس اونٹ ہیں اور وہ میرا کل اثاثہ ہیں۔ دوسرا جہاد؛ میں نے سنا ہے کہ جو کوئی میدانِ جنگ سے بھاگ جاتا ہے وہ اللہ کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر مجھے لڑائی کا سامنا کرنا پڑا تو میں موت کے خوف کے مارے حوصلہ ہار جاؤں گا۔' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ تھام کر ہلاتے ہوئے فرمایا: 'نہ صدقہ نہ جہاد! پھر تم جنّت میں کیسے جاؤ گے؟' پھر ابو خصاصیۃ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: 'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ہر شرط جس کا انہوں صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا تھا، پر بیعت لی۔' [الحاکم نے اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا]

تعارف

ہر نظریے کے لئے کچھ مستقل اور کچھ تغیّر پذیر عناصر ہوتے ہیں۔ جہاں تک مستقل عناصر کا معاملہ ہے، یہ زمان ومکان واشخاص کے حساب سے تبدیل نہیں ہوتے۔ تغیّر پذیر عناصر زمان ومکان واشخاص کے حساب سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً: کیا نماز زمان ومکان واشخاص کے حساب سے تبدیل ہوتی ہے؟ نہیں۔ ہمارے (انسانوں کے) جسم ویسے ہی ہیں جیسے پہلے تھے اور ہمارا رب بھی وہی ہے جو پہلے تھا' لہٰذا یہ مستقل عنصر ہیں۔ تغیّر پذیر عنصر کی ایک مثال یہ ہے کوئی خلیفہ کس طرح چنا جائے گا۔

آج جس امر کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ جہاد کے مستقل عناصر پر گفتگو کی جائے، ان کو خود بھی یاد رکھا جائے اور لوگوں کو بھی ان کے بارے میں یاد دہانی کرائی جائے۔ یہ نہایت ضروری ہے کیونکہ آج ہم ایسے لوگ دیکھتے ہیں جو جہاد کے مستقل عناصر کو بدل کر تغیّر پذیر کے طور پر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں؛ اور ایسا کرنے کا مقصد محض جہاد سے کنّی کترانے کا جواز فراہم کرنا ہوتا ہے۔

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَ هُوَ خَيْرٌ لَكُم وَعَسَى أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لا تَعْلَمُونَ﴾

[البقرة2:216]

''(مسلمانو) تم پر (اللہ کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے، وہ تمہیں ناگوار تو ہوگا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو، (اور ان باتوں کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''

بابِ اوّل

پہلا عنصر: جہاد تا قیامت جاری رہے گا

- جہاد سے قبل تربیت، ایک جائز عذر؟
- صلاح الدین رحمہ اللہ کے وقت کے بعض علماء
- ایک مسلمان کا اہلِ کتاب سے تعلق
- جہاد تا یومِ قیامت کے متعلق بنیادی تحریریں

① پہلا عنصر: جہاد تا قیامت جاری رہے گا

سارا عالم دینِ اسلام کے ایک رکن کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا ہے، اور وہ رکن ہے 'جہاد'۔ بہت سی اقوام، خصوصاً وہ جو طاقتور ہیں، مختلف جہتوں (مذہبی، سیاسی، معاشرتی، اقتصادی، ذرائع ابلاغ، عوامی وغیرہ) پر متحرّک ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ مذہبی طاقت کے ضمن میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ امریکہ اور اسرائیل باہمی طور پر اسرائیل کے لئے ایک ملک کے قیام کے لئے کوشاں ہیں جس کے پس پردہ مذہبی مقاصد پوشیدہ ہیں: مسیح دجّال کی آمد۔ سیاسی طاقت کے ضمن میں، دنیا بھر

میں سفارتی کاوشیں 'اسلامی دہشتگردی' سے نبرد آزما ہیں۔ دنیا کی ہر حکومت، مسلم اور غیر مسلم دونوں، اسلام (اور بالخصوص جہاد) کے خلاف لڑنے کے لئے سیاسی محاذ پر متحد ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے محاذ پر وہ عوام الناس کو اسلام کی حقیقت سے گمراہ کرنے کی ایک انتہائی عمدہ کارکردگی کر رہے ہیں۔ وہ اس ملک میں اسلام کو ایک ایسی شکل میں پیش کر رہے ہیں جو دھوکے اور فریب سے بھر پور ہے۔

جہاد سے قبل تربیت، ایک جائز عذر؟

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَ هُوَ خَيْرٌ لَكُم وَعَسَى أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لا تَعْلَمُونَ﴾

[البقرة2:216]

''(مسلمانو) تم پر (اللہ کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے، وہ تمہیں ناگوار تو ہوگا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو، (اور ان باتوں کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''

اس آیت میں مسلمانوں کو لڑنے کا حکم صادر کیا جا رہا ہے۔ برسبیلِ تذکرہ، بہت سے مسلمان اور اسلامی جماعتیں کہتے ہیں کہ اس سے قبل کہ ہم جہاد کریں، تربیت کا ہونا ضروری ہے۔ وہ یہ رائے ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں: 'تربیت جہاد کے لئے ایک شرطِ اوّل ہے؛ اس لئے تربیت کے بغیر آپ جہاد پر نہیں جا سکتے۔' بالفاظِ دیگر، وہ یہ کہتے ہیں کہ تربیت جہاد سے قبل فرض ہے۔ دوسرے وہ ہیں جو کہتے ہیں، 'ہم ابھی مکّی دور میں ہیں، اس لئے ابھی قتال نہیں ہونا چاہئے۔' کیا یہ جواز درست ہے؟ کیا جہاد فی سبیل اللہ کو مؤخّر کرنے کی کوئی دلیل ہے؟

آیئے اس سوال کو تبدیل کر کے ذرا اور آسان فہم بنائے دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ماہِ رمضان کے دوران مشرف بہ اسلام ہو جاتا ہے تو کیا آپ اسے یہ کہیں گے کہ روزے رکھنے سے پہلے اس کی مشق/تربیت حاصل کرے؟ کیا آپ اسے یہ کہیں گے کہ چونکہ ابھی ہم مکّی دور میں ہیں اس لئے ابھی

تمہیں روزے نہیں رکھنے؟ تمہارے پاس ابھی روزے رکھنے میں تقریباً پندرہ (15) برس کا عرصہ ہے، کیونکہ اتنی ہی مدّت میں روزوں کی فرضیّت کا حکم آیا تھا۔ لہٰذا اس سے قبل تم رمضان میں کھا پی سکتے ہو اور روزے رکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جب یہ (پندرہ) 15 برس گذر جائیں گے تو پھر تمہاری کافی تربیت ہو چکی ہو گی کہ تم روزے رکھنے شروع کر سکو۔ ایسا یقیناً کوئی نہیں کہتا؛ یہ محض ایک مذاق ہے۔ تو پھر، جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہم یہ کیوں کہتے ہیں؟ جب جہاد کے لئے حکم کی صورت ویسی ہی ہے جیسی صیام کے لئے تو پھر فرق کہاں اور کیونکر ہے؟

كُتِبُ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ... [البقرة2:183]

تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں...

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَال... [البقرة2:216]

تم پر (اللہ کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے...

یہ دونوں آیتیں سورۃ البقرۃ میں ہیں۔ صیام تم پر فرض کیے گئے ہیں اور قتال تم پر فرض کیا گیا ہے؛ تو پھر آپ کس طرح ان دونوں کے لئے مختلف رویّہ اختیار کر رہے ہیں؟ درحقیقت، روزے تو جہاد فی سبیل اللہ کے بھی بعد فرض ہوئے۔ روزوں کا حکم نبوّت کے پندرہ (15) برس بعد آیا جبکہ جہاد کا حکم نبوّت کے تیرہ (13) برس بعد آیا۔ اس میں دو برس کا فرق کیونکر تھا؟ لہٰذا، منطقی بات ہے کہ پھر ہمیں لوگوں کو یہ کہنا چاہئے کہ روزے رکھنے سے قبل تربیت حاصل کریں۔ ہم لوگوں کو جہاد سے قبل تربیت تجویز کیسے کر سکتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ جب کوئی شخص مسلمان ہوتا تو کیا آپ ﷺ اسے کہتے کہ وہ پہلے شیوخ سے درس حاصل کرے اور پھر وہ جہاد پر جا سکتا ہے۔ کیا آپ ﷺ نے کبھی کہا کہ تمہیں جہاد پر جانے سے قبل عربی زبان سیکھنی پڑے گی یا سمندر پار جا کر اسلام کی تعلیم حاصل کرنا ہو گی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمرو بن اُقیش رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت میں سود پر قرض دے رکھا تھا اور وہ اسے وصول کرنے سے پہلے اسلام قبول کرنے سے گریزاں تھے۔ وہ یومِ

اُحُد پر آئے اور پوچھا: 'میرے عمزاد کہاں ہیں؟' لوگوں نے جواب دیا: 'اُحُد پر۔' انہوں نے پوچھا: 'فلاں کہاں ہے؟' لوگوں نے جواب دیا: 'اُحُد پر۔' انہوں نے پھر پوچھا: 'فلاں کہاں ہے؟' لوگوں نے جواب دیا: 'اُحُد پر۔' پھر انہوں نے اپنی زرّہ بکتر پہنی اور گھوڑے پر سوار ہو کر ان کی جانب روانہ ہو گئے۔ جب مسلمانوں نے انہیں دیکھا تو کہا: 'ہم سے دور رہو عمرو۔' انہوں نے کہا: 'میں ایمان لا چکا ہوں۔' وہ لڑتے رہے حتیٰ کہ زخمی ہو گئے اور زخمی حالت میں ہی اپنے خاندان والوں کے پاس پہنچا دیئے گئے۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان کی بہن کے پاس گئے اور ان سے کہا: 'اس سے پوچھو کہ یہ قوم کی حمیّت کی خاطر یا ان کے لئے غصّے کی خاطر یا اللہ کے لئے غصّے کی خاطر لڑے۔' انہوں نے جواب دیا: 'اللہ اور اس کے رسول کی خاطر غصّے کی وجہ سے۔' پھر وہ وفات پا گئے اور جنّت میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے اللہ کی خاطر کوئی نماز تک ادا نہیں کی ہوئی تھی۔ [سنن ابوداود، کتاب 14، نمبر 2531]

جب وہ مسلمان ہوئے تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (پہلے) قرآن و حدیث پڑھنے کے لئے کہا۔ اُقیش رضی اللہ عنہ نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں قتال کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں کیا اور شہادت پا لی؛ انہوں نے وہ اعلیٰ ترین مرتبہ پا لیا جو کوئی مسلمان پا سکتا ہے۔ پھر، ایک یہودی سے بڑھ کر کس کو تربیت کی ضرورت ہو گی؟ لوگ کہتے ہیں کہ ایک مسلمان کو جہاد سے قبل بہت سی تربیت درکار ہوتی ہے؛ پھر ایک یہودی کو تو اس سے بھی زیادہ تربیت درکار ہوتی ہو گی۔ مخریق غزوہ اُحُد میں اسلام لائے اور شہید ہو گئے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'مخریق یہودیوں میں سے بہترین ہیں۔' وہ کسی گہری روحانی تربیتی مشقوں سے نہیں گذرے تھے۔ اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ یہودیوں میں سے بہترین تھے۔ وہ کیوں بھلا؟ کیوں کہ وہ میدانِ جنگ میں لڑے اور شہید ہو گئے۔ ان باتوں سے تربیت کی اہمیت کو کم کرنا ہرگز مراد نہیں ہے؛ لیکن جب ہم اسے جہاد کے لئے ایک انتہائی سخت شرط بنا دیتے ہیں تو ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ایسا ضروری نہیں ہے۔

تو پھر کیا وجہ ہے کہ بہت سے مسلمان جہاد سے قبل تربیت کو لازمی قرار دیتے ہیں؟ چونکہ اللہ

سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: '(مسلمانو) تم پر (اللہ کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے، وہ تمہیں ناگوار تو ہوگا' اس لئے؛ وجہ یہی ہے کہ لوگ اسے ناگوار محسوس کرتے ہیں اور اس سے جان چھڑانے کے بہانے ڈھونڈھتے ہیں۔ لہٰذا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں تربیت لازماً حاصل کرنی ہے ورنہ دشمن تو بہت طاقتور ہے۔ یہ (ناگواری) ہماری انسانی تشکیل کا حصّہ ہے؛ یہ ہماری فطرت ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بھی یہ بتا دیا۔ جنگ ایک ایسی حقیقت ہے جسے لوگوں کی اکثریت ناپسند کرتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وقت میں یہ ایک اندرونی کیفیت ہوتی تھی اور آج بھی یہ ایک اندرونی کیفیت ہے۔

صلاح الدّین رحمہ اللہ کے وقت کے بعض علماء

صلاح الدّین رحمہ اللہ کے وقت میں انہوں نے اپنی فوج کے لئے رضا کار طلب کیے تو کچھ شیوخ اور ان کے شاگرد بھی شامل ہو گئے۔ پھر یہ خبر پہنچی کہ صلیبیوں نے یورپ بھر سے افواج متحرک کر لی ہیں۔ تین مرکزی افواج تھیں جو اس وقت کے بہت بڑے بادشاہوں کی قیادت میں تیار کی گئیں تھیں؛ رچرڈ شیر دل (Richard the Lionheart)، فِلِپ فرانس کا بادشاہ، فریڈرک جرمنی کا بادشاہ۔ صرف اکیلے فریڈرک کے پاس تین لاکھ نفوس پر مشتمل فوج تھی۔ پس جب علماء کے علم میں یہ بات آئی تو وہ فوج سے الگ ہو گئے۔ ان علماء کو معلوم تھا کہ انہیں لڑنا چاہیئے؛ انہیں اس کے بارے میں حکم کا علم تھا۔ لیکن صرف حکم معلوم ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ (اس کے مطابق) لڑیں گے بھی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ [الأعراف 7:176-175]

''اور ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں (اور ہفت پارچۂ علم شرائع سے مزیّن کیا) تو اس نے ان کو اتار دیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں

میں ہو گیا۝ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس (کے درجے) کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا۔ تو اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور اگر یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو ان سے یہ قصّہ بیان کر دو تا کہ وہ فکر کریں''۔

یہ ایک ایسے عالم کی کہانی بیان کی گئی ہے جسے حکم کا علم تھا مگر اس نے اس کی پیروی نہ کی۔ وہ کیوں بھلا؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: 'مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا۔' اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کو کتے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ لہٰذا نجات کے لئے صرف علم کا ہونا کافی نہیں؛ اس پر عمل لازم ہے۔ بہت سے لوگ یہ لائحہ عمل اختیار کرتے ہیں کہ جس کام کے کرنے کے بارے میں (علماء کا) فتویٰ موجود نہیں ہو گا وہ وہ کام نہیں کریں گے۔ یہ بات روزِ محشر آپ کی نجات کے لئے کافی نہیں ہے۔ اگر آپ جانتے ہیں کہ ایک چیز درست ہے تو پھر آپ کو اس کی پیروی بہر حال کرنی ہے چاہے علماء اس کی پیروی کریں یا نہ کریں۔

ایک مسلمان کا اہلِ کتاب سے تعلق

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا اہلِ کتاب سے تعلّق امن اور مکالمے کا ہونا چاہئے۔ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ [التوبة 9:29]

''جو اہلِ کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روزِ آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِنْ تَابُوا وَ أَقَامُوا الصَّلَاةَوَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [التوبة5:9]

''جب عزّت کے مہینے گذر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کردو اور پکڑ لو اور گھیر لو اور ہر گھات کی جگہ ان کی تاک میں بیٹھے رہو، پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے''

یہ عبادت کی وہ قسم ہے جس سے کفّار برسرِ پیکار ہیں، اسے دہشت گردی کہتے ہیں اور اس کی پیروی کرنے والوں کو دہشت گرد، انتہاء پسند اور رضا کار افواج جیسے القاب سے داغتے ہیں۔ منافق ان کو ان طریقوں سے مدد فراہم کرتے ہیں:

1۔ وہ کہتے ہیں کہ جہاد دفاعی ہوتا ہے جارحانہ نہیں ہوتا۔

2۔ جہاد صرف کسی مسلم سرزمین کو آزاد کرانے کے لئے جائز ہوتا ہے۔

3۔ جہاد صرف امام کی اجازت اور حکم پر جائز ہوتا ہے۔

4۔ جہاد ہمارے آج کے عالمی امن کے دور میں مناسب اقدام نہیں ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے علماء جہاد کے متعلق ان میں سے بعض گمراہ کن معلومات کو پھیلا رہے ہیں۔ ہم جہاد کی مغرب کے اظہارِ خیال کی بنیاد پر تشریح و توضیح کرنے کی بجائے اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے توسّط سے سمجھتے ہیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیّار کردہ تھے۔ ہمارا (دینی) ورثہ ہمیں جہاد کا اصل مفہوم سکھاتا ہے؛ ہمیں اس کو سمجھنے کے لئے کسی غیر مسلم یا کٹھ پتلی قسم کے مسلمان سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

جہاد تا یومِ قیامت کے متعلق بنیادی تحریریں

جہاد تا قیامت ختم نہیں ہوگا (تا قیامت جاری رہے گا): اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ بتا چکے ہیں۔ اس کا ثبوت کیا ہے؟

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ [المائدة5 :54]

''اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ جلد ہی ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور جو اس سے محبت کریں گے، جو مؤمنوں کے حق میں نرمی کریں گے اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں گے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور علم والا ہے''

اس آیت میں ایک چیز کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ ہے سنّتِ ربّانیہ؛ یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وہ سنّت جو مستقل ہے۔ یہاں جو امر مستقل ہے وہ (لوگوں کو) تبدیل کرنے کے حوالے سے ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان لوگوں کو تبدیل کرتے رہیں گے جو اپنی ذمّہ داریوں کو فراموش کر دیں گے، چاہے وہ کوئی بھی ہوں۔ ذہن میں رکھیئے کہ اس آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب خطاب کیا گیا تھا؛ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کسی سے کوئی خاص رشتہ نہیں (یعنی انسانوں کے عمل پر ان کی نجات کا دارومدار ہے' چاہے وہ کوئی بھی ہوں)۔ یہودی سمجھتے تھے کہ وہ 'چنے ہوئے لوگ' ہیں اور پھر وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اپنی ذمّہ داریاں نہ نبھانے کی پاداش میں لعنت کیے گئے۔

بہت سے اسلامی جماعتیں یہ کہتی ہیں کہ چونکہ ان کی جماعت گذشتہ 30-20 سالوں سے قائم و دائم ہے، اس لئے وہ درست راستے رمنہج پر ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ جس لمحے آپ اپنی ذمّہ داری سے غافل ہوئے' اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو بدل ڈالیں گے۔ آپ کا آخری عمل سب سے اہم ترین ہوتا ہے؛ اگر آپ کی موت واقع ہوتی ہے، تو آخری عمل چاہے وہ اچھا تھا یا برا، وہ آخرت میں آپ کے مقام

کا تعیّن کرنے میں انتہائی اہمیت کا حامل ہوگا۔ گناہ پر موت کو اسلام قابلِ مذمّت تصوّر کرتا ہے۔

ایک سوال جو اکثر لوگ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ بہت سی اسلامی جماعتیں رگروہ ہیں جن میں شمولیت اختیار کی جاسکتی ہے؛ ہم کس میں شمولیت اختیار کریں؟ اگر ہم درست جگہ دیکھ کر جواب تلاش کریں تو ہمیں کوئی الجھن یا پراگندگی ر پریشانی نہیں ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں الطّائفۃ المنصورہ (کامیاب گروہ) کے بارے میں بتایا ہے۔ آپ ﷺ نے صرف یہی نہیں بتایا تھا کہ وہ ایک کامیاب گروہ ہوگا بلکہ آپ ﷺ نے اس گروہ کی صفات بھی بیان کی تھیں۔ جو کوئی ان صفات کو جان لے پھر اسے یہ سوال (کہ کس گروہ میں شمولیت اختیار کی جائے) دوبارہ نہیں پوچھنا پڑتا۔ ہم قرآن کریم میں بیان کردہ صفات سے آغاز کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں سورۃ المائدۃ (5) کی (اس مذکورہ بالا) آیت 54 میں کہا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمہاری جگہ بدل کر وہ لوگ لے آئیں گے جو:

ا۔ 'اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے'

ب۔ 'وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے محبت کرتے ہیں'

مذکورہ بالا دو صفات کے بارے میں تو ہم قطعی نہیں جان سکتے کیونکہ یہ صفات پوشیدہ ہوتی ہیں (صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ان کا اصل حال جانتے ہیں)۔ تاہم، اگر وہ لوگ واقعتاً اپنے فرائض اور ذمّہ داریاں سرانجام دے رہے ہیں تو پھر یہی وہ لوگ ہیں جن سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ محبت کرتا اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔

ج۔ 'وہ مؤمنوں پر نرمی کرتے ہیں'

اس سے مراد ہے کہ وہ مؤمنوں سے محبت رکھتے ہیں؛ ان کا خیال رکھتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے حالات کے بارے میں فکرمند ہوتے ہیں۔ وہ دنیا بھر میں مسلمانوں پر بیتنے والے حالات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ دنیا میں کہیں بھی رہنے والا مسلمان ان کا بھائی ر بہن ہے۔ اگر مشرق میں کسی مسلمان بھائی کا قتل ہوتا ہے، تو یہ اس کی حفاظت اور دفاع کو اپنا فرض تصور کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب وہ کسی جگہ مسلمان بہن بھائیوں پر ہونے والے ظلم و شر کے بارے میں سنتے ہیں تو ان کی پکار کا جواب

دیتے ہوئے حقیقتاً (ان کی مدد کے لئے) وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ وہ مؤمنوں کی جانیں بچانے کے لئے اپنی جانیں داؤ پر لگانے کے لئے تیّار ہوتے ہیں۔ دوسری جانب ہم دیکھتے ہیں کہ کئی ایسے مسلمان ہیں جو دوسرے مسلمانوں پر نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں، وہ اس کے لئے بھی آمادہ ہوتے ہیں کہ حکومتوں کو دیگر مسلمانوں کو قید کرنے کے فتاوی جاری کرتے رہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ کفّار کے شانہ بشانہ کھڑے ہوکر مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنے اور ان سے لڑنے پر بھی آمادہ ہوتے ہیں۔

د۔'وہ کافروں سے سختی سے پیش آتے ہیں'

وہ کفّار پر سخت ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو کفّار کے مظالم کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کے لئے تیّار ہوتے ہیں۔ وہ کفّار میں اپنی دہشت اور ہیبت پھیلانے کے لئے تیّار ہوتے ہیں' جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتے ہیں:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَ مِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّاللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَ آخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ...﴾[الانفال8:60]

''اور تم سے جتنا ہو سکے ان کے (مقابلے کے) لئے قوت اور گھوڑوں کی چھاؤنیاں تیار کرو جن سے، ہیبت طاری کرو اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن پر اور ان کے علاوہ دوسروں پر، جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے۔۔۔''

اس کے برعکس، آپ کو وہ مسلمان بھی دیکھنے کو ملیں گے جو دوسرے مسلمانوں پر سخت معترض لیکن کفّار پر نرم اور رحمدل ہوں گے۔ وہ اس چیز کا یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ ایسا دعوت و تبلیغ کی نیّت سے کیا جاتا ہے؛ وہ انہیں (کفّار کو) مسلمان بنانا چاہتے ہیں۔ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ وہ انہیں (کفّار کو) اسلام کی حقیقی شکل نہیں دکھا رہے بلکہ وہ انہیں اسلام کا ایک غلط اور غیر حقیقی تاثر پیش کر رہے ہیں۔

ہ۔'وہ اللہ ﷻ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں'

ایسے لوگوں کو ڈھونڈھنا جو اللہ ﷻ کی راہ میں جہاد لڑ رہے ہیں مشکل نہیں ہے۔

و۔'وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے'

منافقین ان کو ملامت کریں گے۔اور صریحاً کفّار ان کے خلاف اخبار، ٹیلی ویژن اور ریڈیو میں منفی بیانات (پروپیگنڈہ) جاری کریں گے۔لیکن کیا یہ برادران اس بات کی کوئی پرواہ کرتے ہیں کہ ان کے بارے میں کیا کہا جا رہا ہے؟ وہ اس سے قطعی لا پرواہ ہیں کہ معروف ترین نیوز اسٹیشن اور اخبارات ان کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں۔جب تک کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا جوئی کا سبب ہے، تو پھر انہیں اور کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دورِ جاہلیت میں بنو قریظہ کے حامی تھے۔جب وہ اسلام سے لائے تو انہوں نے وہ تعلق قطع کر دیا، چونکہ اسلام اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین سے وفاداری کا تقاضا کرتا ہے۔بعد ازاں بنو قریظہ نے ہتھیار ڈال دیئے اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا حکم ماننے پر تیّار ہو گئے کیونکہ وہ ان کے دورِ جاہلیت کے پرانے ساتھی تھے۔قبیلہ اوس سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے بارے میں فیصلے میں نرمی برتنے کا کہہ رہے تھے۔سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **'یہ سعد کے لئے ایسا وقت ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خاطر کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرے۔'** جیسے ہی انہوں نے یہ سنا، وہ یہ جان گئے کہ ان کے پرانے ساتھی مر چکے۔سعد رضی اللہ عنہ نے یہودیوں سے پوچھا کہ انہیں ان کا فیصلہ قبول ہوگا؛ انہوں نے کہا ہاں۔اسی طرح انہوں نے مسلمانوں سے بھی دریافت کیا کہ انہیں ان کا فیصلہ منظور ہوگا تو انہوں نے بھی اثبات میں جواب دیا۔سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **'میرا فیصلہ یہ ہے کہ تمام مرد قتل کر دیئے جائیں اور ان کی عورتیں، بچّے اور املاک مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائیں۔'** نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **'تمہارا فیصلہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اللہ کا سات آسمانوں کے اوپر سے ہے۔'** اس روز 900 یہودی قتل کیے گئے۔ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے کہ انہوں نے غدّاری کا ارتکاب کیا تھا۔(بخاری ومسلم ودیگر کتب احادیث)

آیئے اب الطّائفۃ المنصورہ کی صفات کا احادیث کی روشنی میں جائزہ لیں۔

ا۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں جہاد لڑتے ہیں۔

ب۔ وہ جماعۃ میں مل جل کر کام کرتے ہیں۔

ج۔ جو کوئی بھی ان سے اختلاف کرے یا جو کوئی بھی ان سے غداری کرے۔اس سے قطع

نظر کہ کوئی کیا کہتا ہے- چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، کوئی چیز انہیں ضرر نہیں پہنچاتی۔ بلکہ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ تعداد میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ رمز فیلڈ کی ایک داخلی امور کی ڈائری تھی جس میں اس نے لکھا تھا کہ امریکہ نے بہت سے دہشت گرد پکڑے اور قتل کیے، لیکن وہ مزید بڑھتے نظر آرہے ہیں۔ خیر، ایسا اس لئے ہے کہ وہ الطّائفۃ المنصورہ سے لڑ رہا ہے جس کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، چاہے وہ جتنے بھی (مجاہدین) گرفتار کر لے؛ جہاد جاری رہے گا۔

واپس اس طرف آتے ہیں کہ مصنّف اس آیت (المائدۃ 5:54) کا حوالہ کیوں استعمال کرتا ہے؛ وہ بیان کرتا ہے کہ آیت میں 'یـجـاهـدون' کہا گیا ہے، یعنی 'وہ لڑ رہے ہیں'، جو زمانہ حال ہے۔ بالفاظ دیگر، جتنی مرتبہ بھی آپ اس آیت کو پڑھیں گے اس وقت کوئی نہ کوئی کہیں پر جہاد فی سبیل اللہ لڑ رہا ہوگا؛ یہ اس امر کی نشاندہی ہے کہ جہاد تا قیامت جاری رہے گا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ﴾[البقرة 2:193]

''اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور (ملک میں) دین اللہ کا ہو جائے، پھر اگر وہ (فتنے سے) باز آجائیں تو ظالموں کے علاوہ کسی پر سختی نہ کی جائے''۔

اس آیت میں فتنے سے مراد کفر ہے۔ لہٰذا آیت یہ حکم دے رہی ہے کہ ان سے اس وقت تک لڑو جب تک کفر ختم نہ ہو جائے۔ اور ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے معلوم ہے کہ کفر بھی تا قیامت موجود رہے گا۔ لہٰذا جہاد بھی تا قیامت جاری رہے گا، کیونکہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ دنیا سے کفر کو مٹا دیں۔

بر سبیلِ تذکرہ، جہاد تب ختم ہو گا جب عیسیٰ علیہ السلام دنیا پر حکومت کریں گے۔ ایسا کیوں ہے؟ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کفر سے جنگ لڑیں گے اور نتیجتاً کسی قسم کا کفر و شرک باقی نہیں رہے گا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد مزید کوئی جہاد نہیں ہوگا کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مؤمنوں کی ارواح قبض کر لیں گے اور کفّار کو قیامت کی گھڑی شروع ہونے تک زمین پر چھوڑ دیں گے۔ علاوہ ازیں، یاجوج ماجوج کے خلاف کوئی

جہاد نہیں ہوگا کیونکہ ان سے لڑنے کی قابلیت موجود ہی نہیں ہے؛ وہ ایک معجزے کے ذریعے تباہ و برباد کردیئے جائیں گے۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾ [آل عمران3: 144]

''اور محمد (ﷺ) تو صرف (اللہ کے) پیغمبر ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہوگذرے ہیں بھلا اگر یہ مر جائیں یا مارے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ کا کچھ نقصان نہ کر سکے گا اور اللہ شکر گذاروں کو (بڑا) اجر دے گا''

باب دوم

دوسرا عنصر: جہاد کا انحصار مخصوص شخص یا اشخاص پر نہیں ہوتا

- پہلا ثبوت
- دوسرا ثبوت
- درست اور غلط فہم
- کامیابی یا ناکامی خالصتاً اللہ کی جانب سے ہوتی ہے
- کبھی بھی نتائج کی بنیاد پر رائے قائم نہ کرو
- نتائج کی بنیاد پر رائے قائم کرنا کفر اور مایوسی کا سبب بنتا ہے

۲ دوسرا عنصر: جہاد کا انحصار مخصوص اشخاص پر نہیں ہوتا

کسی رہنما یا مخصوص شخصیت سے قطع نظر جہاد جاری رہے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دین مخصوص اشخاص پر انحصار نہیں کرتا، اور اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بندے اس کی راہ میں جان دے دیتے ہیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسلام کی علمبرداری قائم کرنے کے مقصد کو آگے بڑھانے کے لئے اور مؤمنین بھیجتا رہے گا۔ یہ درست ہے، تاہم، ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر لوگ جو یہ بات کہتے ہیں وہ اسے محض زبانی جمع خرچ کی حد تک ہی برتتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر، اپنے عملی مظاہرے سے ان کا اس امر پر پختہ یقین ثابت ہوتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ چند مخصوص اشخاص یا گروہوں پر منحصر ہوتا ہے۔ ہم ثابت کریں گے کہ جہاد مخصوص

قیادت پر اور نہ ہی مخصوص اشخاص پر منحصر ہوتا ہے:

پہلا ثبوت

① اگر ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ جہاد مخصوص اشخاص پر منحصر ہوتا ہے تو پھر یہ یقین جہاد کے متعلق عقیدے کی کمزوری کی جانب لے جاتا ہے، کیونکہ یہ ایک غلط عقیدہ ہے۔ اور یہ اس تصور کو، کہ جہاد تا قیامت جاری رہے گا، بدل ڈالتا ہے، کیونکہ جب ہم جہاد کو مخصوص اشخاص سے منسلک کرتے ہیں تو اپنے قول کے ذریعے یہ اشارہ دیتے ہیں اگر فلاں (مخصوص شخص) وفات پا جاتا ہے تو پھر جہاد بھی رک جائے گا۔ ابن قدامة رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **'امام کی غیر موجودگی جہاد میں تاخیر کا سبب نہیں ہونی چاہیے۔'**

دوسرا ثبوت

② اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت اس طرح فرمائی کہ وہ صرف اور صرف اسی سبحانہ وتعالیٰ پر توکّل کریں اور اس کے دین سے منسلک رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واضح فرمایا کہ کسی ایک مخصوص شخص پر انحصار کرنا غلط طریقہ ہے کیونکہ اگر وہ شخص وفات پا جاتا ہے تو پھر جہاد ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ آیت تک نازل فرما دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی (اس قسم کا) انحصار نہ کیا جائے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾ [آل عمران3:144]

''اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف (اللہ کے) پیغمبر ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گذرے ہیں بھلا اگر یہ مر جائیں یا مارے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ کا کچھ نقصان نہ کر سکے گا اور اللہ شکر گذاروں کو (بڑا) اجر دے گا''

یہ آیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ سکھانے کے لئے نازل فرمائی گئی کہ کسی بھی عبادت میں کسی

مخصوص شخص پر انحصار نہیں کرنا ہے۔ اسلام اللہ ﷻ کا ہے اور کسی اور کی ملکیت نہیں ہے؛ لہٰذا اللہ ﷻ پر توکّل رکھو، محمد ﷺ یا کسی اور فرد پر نہیں۔

ہم شرک کے مسئلے یا مخصوص اشخاص کو اللہ ﷻ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی بابت بات نہیں کر رہے، بلکہ ہم اس متعلق بات کر رہے ہیں کہ کس طرح لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ جہاد اس لئے کامیاب جا رہا ہے کیونکہ اللہ ﷻ نے فلاں شخص کو اس کی قیادت سونپی یا اس کا حصّہ بنایا۔ یا ایک غلط تصور ہے۔ آیئے اس آیت کی تفسیر دیکھتے ہیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت غزوۂ اُحد کے وقت نازل ہوئی جب ایک قریشی نے رسول اللہ ﷺ کو ایک پتھر مارا اور سمجھا کہ اس نے انہیں قتل کر دیا ہے۔ وہ اپنے لوگوں میں واپس گیا اور انہیں اس کے بارے میں بتایا۔ یہ افواہ پھیل گئی اور مسلمانوں تک بھی آ پہنچی کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے۔ اس بات نے بعض مسلمانوں میں مایوسی پھیلا دی۔ یہ وہ وقت تھا جب اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ محمد ﷺ صرف اللہ کے رسول ہیں اور ان سے قبل بھی رسل ہو گذرے ہیں۔ اب اگر وہ قتل کر دیئے جائیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم دین سے پھر جاؤ؟ تم ان پر انحصار کرتے ہو یا اللہ ﷻ پر؟ یہ آیت بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رویّے پر تنقید کر رہی تھی۔ کچھ مسلمان اس خبر سے متأثر ہوئے تھے اور کچھ نہ ہوئے۔ انصار میں سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: **'اگر وہ قتل کر بھی دیئے گئے ہیں تو وہ اپنا پیغام پہنچا چکے ہیں۔ پس اس کے لئے لڑو اور ان کی طرح جان دو۔'** یہ صحابی رضی اللہ عنہ اس افواہ سے دلگیر ہونے کے بجائے اور زیادہ طاقتور ہو گئے۔ اور جو واپس پلٹ گئے، وہ صرف اپنا ہی نقصان کر رہے تھے۔

جب محمد ﷺ وفات پا گئے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے گھر عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں گئے اور رسول اللہ ﷺ کی پیشانی چومی اور فرمایا: **'آپ پاکیزہ ہیں، زندہ بھی اور وفات کے بعد بھی، اللہ تعالیٰ دو موتیں آپ پر کبھی جمع نہیں کرے گا۔'** پھر وہ رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لے گئے جہاں عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ یہ نہیں سننا چاہتے تھے کہ نبی ﷺ وفات پا گئے ہیں۔ وہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو یہ کہہ رہے تھے کہ: **'جو کوئی یہ کہے گا کہ محمد ﷺ وفات پا گئے ہیں میں اس کی گردن اُڑا دوں**

گا۔ **محمد** ﷺ **اللہ سے ملاقات کے لئے گئے ہیں بالکل جیسے موسیٰ** علیہ السلام **اللہ سے ملاقات کے لئے گئے تھے؛ پس آپ** ﷺ **واپس آ جائیں گے۔' ابو بکر** رضی اللہ عنہ **نے عمر** رضی اللہ عنہ **کو بولنے سے روکا اور کہنے لگے: 'اے لوگو! اگر کوئی شخص تم میں سے محمد** ﷺ **کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ محمد** ﷺ **کی وفات ہو چکی اور اگر کوئی اللہ تعالی کی عبادت کرتا ہے تو جان لے کہ اللہ تعالی باقی رہنے والا ہے، وہ کبھی مرنے والا نہیں۔'** پھر انہوں نے یہ آیت (آل عمران 3:144) تلاوت فرمائی۔ سب کو یہ آیت معلوم تھی، لیکن جب انہوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی زبان سے سنی تو انہیں یوں لگا جیسے پہلی مرتبہ سنی ہو، کیونکہ وہ حالتِ جذبات میں سب کچھ ہی بھول چکے تھے۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تلاوت سننے کے بعد سبھی اس کی تلاوت کرنے لگ گئے۔ اس میں سبق یہ تھا کہ ہر کوئی اپنے مقررہ وقت پر مر جائے گا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّـهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا...﴾ [آل عمران 3:145]

''اور کسی جان کے لئے ممکن نہیں کہ مرے مگر اللہ کی اجازت سے کہ یہ لکھت ہے مقررہ وقت کی...''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿...وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُعَمَّرٍ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ [الفاطر 35:11]

''...اور نہ کسی بڑی عمر والے کو عمر زیادہ دی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے مگر (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔ بیشک یہ بات اللہ پر آسان ہے''

ان دو آیات کے متعلق مصنّف کہتا ہے کہ یہ بزدلوں کو ایسا جری بنا دیتی ہیں کہ وہ اپنی جانیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خاطر لڑیں۔ کیونکہ بہادری آپ کی زندگی کو کم نہیں کرتی اور بزدلی اسے زیادہ نہیں کرتی۔ آپ کتنے ہی بہادر کیوں نہ ہوں، یہ چیز آپ کی زندگی کو گھٹائے گی

نہیں۔اور آپ کتنے ہی بزدل اور خوف کا شکار کیوں نہ ہوں، یہ چیز آپ کی زندگی کو بڑھائے گی نہیں۔ اگر کوئی مؤمن یقین کی اس سطح پر پہنچ جاتا ہے جہاں اسے یہ شعور حاصل ہو جاتا ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے اور کوئی چیز اسے ٹال نہیں سکتی تو وہ انتہائی طاقتور ہو جاتا ہے، اسے کسی شئے کا خوف نہیں رہتا۔اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے تمام دشمن محض ایسی مخلوقات نظر آئیں گے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔پس ان سے کیا ڈرنا؟

خالد بن الولید رحمہ اللہ اتنے بہادر تھے کہ وہ اپنے آپ کو دشمنوں کی صفوں میں لے جاتے تھے اور انہوں نے اپنے بارے میں فرمایا: **'میں اپنے آپ کو دشمن کی صفوں میں (اتنا آگے تک) دھکیل دیتا حتی کہ مجھے یقین ہو جاتا کہ اب میں زندہ واپس نہیں آسکوں گا۔اور یہاں میں بستر پر دم توڑ رہا ہوں۔ پس بزدلوں کی آنکھوں کو کبھی نیند نصیب نہ ہو!'** انہوں نے بزدلوں کے لئے بددعا کی جس سے مراد یہ تھی کہ جب بہادری تمہیں نہیں مار سکتی تو پھر تم بزدل کیونکر ہو سکتے ہو۔

مصنف سلطنتِ فارس کی عراق میں فتوحات کے زمانے کی حجر بن عدي نامی ایک مسلمان کی کہانی بیان کرتا ہے۔مسلم اور فارس کی افواج کے درمیان ایک دریا تھا۔پس حجر نے مسلمانوں سے کہا: **'تم لوگ دریا عبور کر کے دشمن کا سامنا کیوں نہیں کرتے؟'** وہ اپنے گھوڑے پر سوار تھے اور انہوں نے اسے پانی میں دوڑا دیا اور باقی سب مسلمان بھی ان کے پیچھے ہو لئے۔فارس کی فوج نے جب یہ منظر دیکھا کہ مسلمان گھوڑوں پر سوار پانی میں سے گذر رہے ہیں تو وہ حد درجہ خوفزدہ ہو گئی۔انہوں نے چلّانا شروع کر دیا: **'دیوان! دیوان!'** اس کا مطلب ہے **'جن! جن!'** وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔اور یہ لڑائی کا اختتام تھا۔حجر نے اپنے اس عمل کا یہ جواز فراہم کیا: **'کوئی نفس اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا۔'** اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ہماری موت منظور ہے، تو ہم مر جائیں گے؛ ہم موت سے کبھی نہیں بچ سکتے۔اور اگر ہماری موت کا وقت نہیں ہوگا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہماری حفاظت فرمائیں گے۔

'زاد المسیر' کے مصنف (ابن جوزی رحمہ اللہ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **'یومِ اُحد کو شیطان چلّایا کہ محمد کو قتل کر دیا گیا۔لہٰذا کچھ مسلمان کہنے لگے کہ اگر**

محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے ہیں تو پھر ہم ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ یہ ہمارے ہی قبیلے اور رشتے دار ہیں۔ اور اگر محمد ﷺ زندہ ہوتے تو ہم کبھی نہ ہارتے۔' وہ نہ لڑنے کا بہانہ تلاش کر رہے تھے۔ عبدالحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '**منافقین میں سے کچھ نے کہا: 'محمد قتل کر دیئے گئے ہیں تو چلو پھر واپس اپنے دین کی جانب لوٹ جاتے ہیں۔**'' اللہ سبحانہ وتعالیٰ لوگوں کو آزماتے ہیں اور ان آزمائشوں کے مختلف نتیجے نکلتے ہیں۔ اس نتیجے کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ ہم نے اس آزمائش یا امتحان کا کیا ردِّ عمل کیا۔ ہماری زندگی آزمائشوں اور امتحانوں سے بھرپور ہے۔ اگر ہم ان آزمائشوں اور امتحانوں میں کامیاب ہوتے رہیں، تو ہم مزید پاک صاف ہوتے چلے جاتے ہیں۔

الشوکانی رحمہ اللہ تذکرہ کرتے ہیں کہ کس طرح شیطان یومِ اُحد کے دن چلاّیا اور کچھ مسلمان کہنے لگے: '**اگر محمد ﷺ رسول ہیں تو پھر وہ قتل نہیں ہوسکتے۔**' پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ آیت (آل عمران 3:144) نازل فرمائی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بعض انبیاء اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی منشاء سے قتل بھی ہوسکتے ہیں۔

کچھ مسلمان کہنے لگے کہ: '**چلو عبداللہ ابن اُبی کے پاس چلتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ قریش سے ہماری طرف سے ہتھیار ڈالنے پر گفت وشنید کریں۔**' وہ اس کے پاس گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس کے کفّار کے ساتھ بہت اچھے تعلقات ہیں۔

انصار سے انس بن النضر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '**اگر محمد ﷺ قتل ہو بھی گئے ہیں تو اللہ قتل نہیں ہوا، پس آؤ اللہ کے دین کے لئے لڑیں!**' انہوں نے کچھ مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو ان سے پوچھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: '**محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں۔ اب ہم کیا کریں؟**' انہوں نے ان کو جواب دیا: '**اگر محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں تو پھر تمہیں اٹھ کھڑے ہونا چاہئے اور لڑنا چاہئے اور انہی کی طرح مارے جانا چاہئے۔**' کچھ مسلمانوں نے ایسا ہی کیا اور جان دے دی۔

درست اور غلط فہم

جن لوگوں نے غلط تصور اختیار کیا، انہیں دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ا۔ وہ جو محمد ﷺ کی وفات کی افواہ کی وجہ سے چوک کھا گئے؛ وہ کمزور پڑ گئے اور صدمے کو

برداشت نہ کر سکے۔ وہ امن چاہتے تھے اور موت سے بچنا چاہتے تھے۔

ب۔ جنہوں نے بدترین راہ اختیار کی وہ وہ لوگ تھے جو کفر کی جانب پلٹ گئے۔

جہاد رسول اللہ ﷺ پر منحصر نہیں۔ جو غلط رویہ مذکورہ بالا دونوں گروہوں نے اختیار کیا وہی رویہ آج بیشتر مسلمانوں کا ہے۔ ہم بہت سے مسلمانوں کو یہ کہتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ اگر طالبان درست راستے پر ہوتے تو کبھی شکست نہ کھاتے۔ (اُحد کے واقعے میں) کچھ نے کہا کہ اسلام غلط ہے کیونکہ محمد ﷺ میدانِ جنگ میں مارے گئے۔ آج ہم یہی چیز دوبارہ مسلمانوں میں رونما ہوتی دیکھتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ طالبان غلط ہیں کیونکہ وہ میدانِ جنگ میں شکست سے دوچار ہیں۔ یہ کہنا غلط ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ عرب مجاہدین کو واپس اپنے علاقوں میں چلے جانا چاہیئے اور اپنی حکومتوں سے امن قائم کر کے ان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے۔ یہ رویہ ان مسلمانوں جیسا ہے جو عبداللہ بن اُبی سے قریش کے ساتھ شکست ماننے کی گفت وشنید کرنے کی درخواست لے کر گئے تھے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے اور آج جو بھی گمراہی آپ دیکھ رہے ہیں، آپ اس سے قبل کے ادوار میں بھی لوگوں کو ویسی ہی گمراہیوں کا شکار دیکھیں گے۔

جو لوگ درست تصور کے حامل ہیں ان کی مثال انس بن النضر رضی اللہ عنہ کی سی ہے، جو لوگوں کو یہ کہتے ہیں کہ **'تم بیٹھے ہوئے کیوں ہو؟'**۔ ان لوگوں نے کہا کیونکہ محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کہا: **'پھر تم کس چیز کے لئے زندہ رہو گے؟ اٹھو اور ان کی طرح لڑو!'** ان کی مثال وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سی بھی ہے جنہوں نے کہا تھا کہ **'اگر کوئی شخص تم میں سے محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ محمد ﷺ کی وفات ہو چکی اور اگر کوئی اللہ تعالی کی عبادت کرتا ہے تو جان لے کہ اللہ تعالی باقی رہنے والا ہے، وہ کبھی مرنے والا نہیں!'** وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جیسے بھی ہیں جنہوں نے کہا تھا کہ: **'اگر محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں تو میں پھر ان کے دین کے لئے لڑوں گا۔'** یہ لوگ جہاد کے درست تصور کے حامل ہیں، جو یہ ہے کہ جہاد کسی مخصوص شخص پر منحصر نہیں ہوتا چاہے وہ شخص محمد ﷺ ہی کیوں نہ ہوں۔

اللہ سبحانہ وتعالی فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾[آل عمران3:139]

''اور ہمّت نہ ہارو، نہ غم کرو، کیونکہ تم ہی سر بلند ہوگے اگر تم مؤمن ہو''

یہ آیت اُحد کے بعد نازل ہوئی تھی جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو یہ بتایا گیا تھا کہ کسی بھی واقعے کے حالات تم کو کمزور اور دل گرفتہ نہ کرنے پائیں کیونکہ تم اعلیٰ مقام پر ہو۔ آخری انجام متقین کے ہی حق میں ہوتا ہے پس تمہیں کبھی بھی کمزور ہر گز نہیں پڑنا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[آل عمران3:165]

''(بھلا یہ) کیا (بات ہے کہ) جب (اُحد کے دن کافروں کے ہاتھ سے) تم پر مصیبت واقع ہوئی حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دو چند مصیبت تمہارے ہاتھ سے ان پر پڑ چکی ہے، تو تم چلّا اٹھے کہ (ہائے) آفت (ہم پر) کہاں سے آپڑی، کہہ دو کہ یہ تمہاری ہی شامت اعمال ہے (کہ تم نے پیغمبر کے حکم کے خلاف کیا) بیشک اللہ ہر شے پر قادر ہے''

چنانچہ مؤمنوں کو شکست کا سامنا ہو تو انہیں یہ کہنا چاہیئے تا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ان کے ایمان اور یقین میں اضافہ ہو اور وہ حقیقی اولیاءاللہ بن سکیں۔ انہیں یہ آیت بھی تلاوت کرنی چاہیئے:

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾[آل عمران3:139]

''اور ہمّت نہ ہارو، نہ غم کرو، کیونکہ تم ہی سر بلند ہوگے اگر تم مؤمن ہو''

کامیابی یا ناکامی خالصتاً اللہ کی جانب سے ہوتی ہے

کامیابی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مرہون ہوتی ہے ہمارے نہیں۔ یہ تا حال ہم نے نہیں کمائی یا خود حاصل کی؛ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے ایک تحفہ ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى وَلِيُبْلِيَ

الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾[الانفال8:17]

''تم لوگوں نے ان (کفار) کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔اور (اے محمد) جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔اس سے یہ غرض تھی کہ مؤمنوں کو اپنے (احسانوں) سے اچھی طرح آزمالے. بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے''

﴿...وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾[آل عمران3:126]

''...ورنہ مدد تو صرف غالب اور حکمت والے اللہ کے ہاں سے ہی آیا کرتی ہے''

قرانِ حکیم میں بھی کامیابی کبھی بھی مؤمنوں سے منسوب نہیں کی گئی، بلکہ یہ ہمیشہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے کرم وعنایت قرار دی گئی ہے۔اور اگر مؤمنین فتحیاب ہوں تو انہیں کہنا چاہئے:

﴿وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾[الانفال8:26]

''اور اس وقت کو یاد کرو جب تم زمین (مکّہ) میں قلیل تھے اور ضعیف سمجھے جاتے تھے اور ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ تمہیں اُڑا (نہ) لے جائیں (یعنی بے خانماں نہ کر دیں) تو اس (اللہ) نے تم کو جگہ دی اور اپنی مدد سے تم کو تقویت بخشی اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں تا کہ (اس کا) شکر کرو''

یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد اور محبت پر ہمارے یقین میں اضافے کے لئے کہا گیا ہے۔سو چاہے ہم کامیاب ہوں یا ناکام، یہ ہمارے حق میں بہتر ہے کیونکہ اس سے ہمارے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔جو طریقہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کی جانب لے جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے اعمال اس روش پر ہوں جس کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے۔

کبھی بھی نتائج کی بنیاد پر رائے قائم نہ کرو

ہمیں کوئی کام اس لئے نہیں کرنا چاہئے کہ یہ ہمیں کامیابی سے ہمکنار کرے گا یا اس (کام

کے) نتائج کی وجہ سے، بلکہ ہمیں یہ اس لئے کرنا چاہئے کیونکہ اللہ ﷻ کا ہمیں اس کام کو کرنے کا حکم ہے۔ پھر ہمیں نتائج اللہ ﷻ پر چھوڑ دینے چاہئیں۔ ہم اللہ ﷻ کے سپاہی ہیں ؛ ہمیں نتائج سے بے نیاز ہو کر اس کام کو صرف اس لئے کرنا ہے کیونکہ اللہ ﷻ ہمیں اس کام کو کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ہم ہر چیز اللہ ﷻ کے ہاتھ میں چھوڑتے ہیں۔ ہمارے پاس غیب کا علم نہیں ہے۔ علاوہ ازیں، ہم اپنے اعمال کا محاسبہ ان کے نتائج سے نہیں کرتے کہ آیا ہم درست تھے یا غلط۔ بلکہ ہم اپنے اعمال کا محاسبہ اس بنیاد پر کرتے ہیں کہ یہ اللہ ﷻ کے احکامات سے مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان جو کسی غیر مسلم کو مشرف بہ اسلام کرتا ہے؛ اس کے بارے میں یہ نہیں کہنا چاہئے کہ 'وہ بندہ بہت ہی اچھا داعی ہے کیونکہ اس نے کسی کو مشرف بہ اسلام کیا'۔ ہمیں اس کو ایک کامیاب داعی ہونے کا فیصلہ اس بنیاد پر نہیں دینا کہ وہ کتنے لوگوں کو اسلام کی جانب لایا۔ ہمیں اس کو اس حوالے سے پرکھنا ہے کہ آیا وہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق دعوت و تبلیغ کر رہا ہے یا نہیں۔ اگر اس کی دعوت و تبلیغ رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق ہے تو پھر وہ کامیاب ہے چاہے کوئی بھی اس کی تبلیغ کو قبول نہ کرے۔ مزید برآں، اگر اس کی دعوت و تبلیغ رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق نہیں ہے تو پھر وہ اسے غلط انداز میں کر رہا ہے چاہے اس کے نتیجے میں کتنے ہی بے شمار لوگ مسلمان کیوں نہ ہو رہے ہوں۔ نوح علیہ السلام کی مثال کی جانب دیکھئے، کیا وہ کامیاب تھے یا ناکام؟ ان (کامیابی یا ناکامی والے) معیارات کے مطابق تو وہ ناکام تھے؛ اور ایسا کہنا غیر اسلامی بات ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ روزِ حساب بعض انبیاء علیہم السلام بہت ہی قلیل تعداد پیروکاروں کے ساتھ آئیں گے اور بعض بالکل ہی کسی پیروکار کے بغیر آئیں گے۔ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ناکام ہو گئے؟ وہ نبی تھے اور دعوت و تبلیغ میں زندگی بسر کر دی۔ انہوں نے وہی کیا جو اللہ ﷻ نے انہیں کرنے کے لئے کہا، لہٰذا وہ درست ہیں۔ پس ہم کسی کام کے انجام کی بنیاد پر اس کام کو نہیں پرکھتے اور نہ ہی ہمیں نبی ﷺ کے طریقے کو بدلنے کی کوشش کرنی چاہئے محض اس لئے کہ 'ہم نئے دور میں رہتے ہیں'۔

آج اُمّت میں یہ ایک سنگین غلطی ہے؛ ہم ہر چیز کو اس کے انجام کے پیمانے پر پرکھتے

ہیں۔حتیٰ کہ اسلامی تحریکیں بھی اسی بنیاد پر اپنے امور سرانجام دے رہی ہیں! اس کا تعلق مغربی اثر ورسوخ سے ہوگا۔ہم اپنے اسلام کو کسی تجارت کی مانند برت رہے ہیں؛ لوگ کامیابی کو نتائج کے معیار پر پرکھتے ہیں۔اگر وہ آخر کار خوب پیسہ نہیں بنا پا رہے تو پھر کہیں کوئی مسئلہ ہے اور انہیں اس مسئلے کی جانب دیکھنا ہے۔ہم اپنی عبادات کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کر سکتے؛ ہمیں کام اس لئے سرانجام دینے ہیں کیونکہ اللہ ﷻ نے ہمیں ان کے کرنے کا حکم دیا ہے، انجام چاہے اچھا ہو یا برا؛ یہ اللہ ﷻ کی رضا پر منحصر ہے۔ہم نتائج پر کوئی اختیار نہیں چلا سکتے۔

اور اگر کوئی نتائج کی بنیاد پر چیزوں کو پرکھتا ہے تو پھر اسے کہنا چاہیئے کہ غزوۂ اُحد ایک مکمل ناکامی تھا اور رسول اللہ ﷺ کو یہ نہیں لڑنا چاہیئے تھا؛ انہوں نے غلطی کی۔کوئی ایسا کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ درست تھے کیونکہ وہ ویسا ہی کر رہے تھے جیسا انہیں کرنے کے لئے کہا گیا تھا؛ جہاد فی سبیل اللہ۔اہلِ نفاق جہاد کو اس نظر سے دیکھتے ہیں: 'اگر جہاد کے نتیجے میں طاقت، منصب، دولت اور غنیمت ملیں گے تو پھر ہم مجاہدین کے ساتھ شمولیت اختیار کریں گے۔لیکن اگر جہاد کے عوض ہمیں اپنی جان، دولت، طاقت، اور منصب گنوانا پڑے گا تو پھر نہیں، ہمیں شامل نہیں ہونا چاہیئے؛ یہ حکمت کی بات نہیں ہے۔'

جہاد ایک راستہ ہے اور اس کا نتیجہ ایسی چیز نہیں جس کے بارے میں ہمیں خاص فکرمند ہونا چاہیئے؛ اس حقیقت کو ثابت کرنے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے قبل انہوں نے تین ہزار نفوس پر مشتمل ایک فوج سلطنتِ روم سے لڑنے کے لئے روانہ کی۔لیکن جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی، تو وہ فوج ابھی تک سلطنتِ روم تک نہیں پہنچی تھی؛ وہ ابھی اس جگہ خیمہ زن تھے جہاں فوج کو منظّم ہونا تھا۔یہاں فوجی چھاؤنی تھی۔جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی، ریاست کے اردگرد تمام عرب ارتداد کا شکار ہوگئے، وہ مرتد (ہوگئے) تھے۔لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ تین ہزار کی فوج وہیں رکی رہے کیونکہ ہمارے پاس اور اہم کام ہیں۔انہوں نے کہا کہ 'یہ ہمارے لئے مناسب وقت نہیں ہے کہ ہم سلطنتِ روم کے ساتھ لڑائی میں الجھیں جبکہ ہمارے پاس زیادہ قریبی خطرہ

مدینہ کے گرد ونواح میں ہے۔' اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بھی یہی نقطہ نظر تھا، جو اس فوج کے سربراہ تھے۔اسامہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زبانی پیغام ارسال کیا کہ مسلمانوں کی اکثریت ان کے ساتھ ہے اور وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی خلافت کو مدینہ میں تنہا چھوڑ کر اور رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کو تحفظ کے بغیر چھوڑ کر نہیں جانا چاہئے۔اس کے علاوہ، وہ مدینہ کو جنگجوؤں کے بغیر تنہا نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھلا کیا کہا؟ انہوں نے کہا: **'اگر کتے بھی رسول اللہ ﷺ کی ازواج کو پیروں سے گھسیٹ لے گئے، تب بھی میں اس فوج کو روانہ کروں گا، اور اگر مدینہ میں میرے سوا کوئی نہ بھی بچے، میں تب بھی اس فوج کو روانہ کروں گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے کو کہا تھا۔'** ابوبکر رضی اللہ عنہ یہاں یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ انہیں نتائج کی کوئی پرواہ نہیں۔اگر سب قتل ہوجائیں اور تنہا وہ باقی رہ جائیں، وہ تب بھی اس فوج کو روانہ کریں گے۔اور اگر حالات اتنے ہی برے ہوجائیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج کو کتے گھسیٹنے لگیں، وہ تب بھی اس فوج کو روانہ کریں گے۔ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ ویسا ہی کریں گے جیسا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگرچہ نتائج برے ہی کیوں نہ نکلیں۔یہ ان لوگوں کے جواز کی قطعی نفی کرتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آؤ ہر چیز کے فائدے اور نقصان کا موازنہ کریں۔۔۔یہاں تک کہ شریعت کی ہر چیز محض سبزیوں کی یخنی ہی بن کر رہ جائے؛ ہر چیز تلف ہوجائے!!! آپ کے پاس شریعت کے مستقل عناصر میں سے باقی کچھ نہ بچے گا کیونکہ وہ ہر چیز پر سود وزیاں کے اصول کا اطلاق کرتے ہیں۔سبحان اللہ! جہاد فی سبیل اللہ کا تو سارا معاملہ ہی پھر نقصان کا سبب ہے؛ آپ اپنی جان و مال خطرے میں ڈال رہے ہیں۔یہ تو پھر 'مصلحة' کے بجائے 'مفسدة' ہے کیونکہ آپ اپنے آپ کو اور مال کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔

مزید برآں، جہاد کے موضوع پر ہم اجتہاد نہیں کرسکتے۔کیا آپ نماز کے متعلق اجتہاد کرسکتے ہیں کہ آیا یہ ادا کرنی ہے یا نہیں؟ آپ ایسا نہیں کرسکتے کیونکہ یہ ایک مستقل عنصر ہے۔نماز کا حکم مستقل ہے۔ابوبکر رضی اللہ عنہ والا معاملہ اجتہادی تھا۔اگر ایسا نہ ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے خلاف نہ بولتے۔ہمیں بس وہی کرنا ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں کرنے کا حکم دیا ہے، نتائج چاہے کچھ بھی

ہوں۔ بہت سے لوگ آج کے دور میں جہاد فی سبیل اللہ کرنے کے خلاف منوں کے حساب سے تاویلات لے آتے ہیں، کیونکہ انجام اچھا نہیں ہوگا۔ ہمارا جواب یہ ہونا چاہیے کہ 'ہم نتائج کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ جہاد فرضِ عین ہے، لہٰذا ہمیں یہ کرنا ہی ہے چاہے کتے ہی کیوں نہ ہمارے خاندانوں کو گھسیٹ کر لے جائیں۔'

جب مسلم فوج سلطنتِ روم کی جانب رواں دواں تھی تو اس کا ایک ایسے عرب علاقے پر سے گذر ہوا جو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔انہوں نے جب مسلمانوں کو رومیوں کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے دیکھا تو خود سے کہنے لگے کہ: **'اگر ان لوگوں کے پاس اتنی طاقت ہے کہ رومیوں سے لڑسکیں تو پھر لازماً ان کے پاس پیچھے مدینہ میں اس کی حفاظت کے لئے مزید طاقت ہوگی!'** پس انہوں نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا اور مسلم فوج پر حملہ آور نہ ہوئے۔ سبحان اللہ! اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کفّار کے دلوں میں خوف ڈال دیا، حتیٰ کہ جب مسلمان ابھی طاقت میں کم تھے؛ پس اگر مسلمان مخلص ہوں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ مدد فرمائیں گے۔ مسلمانوں کی آمد کے بارے میں سن کر رومیوں کا کیا ردِّعمل ہوا؟ ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور اسی دن فوج کی روانگی کی خبر سنی۔ وہ کہنے لگا: **'اگر ان لوگوں کے سردار کی وفات ہوگئی اور اسی دن اس کی فوج لڑنے کے لئے روانہ کر دی گئی، پھر ضرور کوئی بات ہوگی۔'** لہٰذا انہوں نے مسلمانوں سے لڑنے سے انکار کر دیا۔ یہ ہوتا ہے نتائج یا انجام کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاتھ میں چھوڑ دینا۔ یہ ایسی مثال ہے جس کی پیروی ہمیں بھی کرنی چاہیے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کی فوج روم میں داخل ہوتی ہے اور ایک بھی سپاہی ان کا سامنا نہیں کرتا۔ وہ غنیمت لیتے ہیں اور واپس مدینہ روانہ ہو جاتے ہیں۔ یہی اس آیت کا مطلب ہے:

﴿...وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ...﴾ [الطّلاق 65:3-2]

''...اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے ۝ اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو...''

جب تک آپ کے پاس تقویٰ ہے، اللہ ﷻ آپ کے ساتھ ہے۔ جتنا آپ اپنے تقویٰ میں اضافہ کرتے چلے جائیں گے، اتنا ہی وہ ﷻ آپ کے لئے چھٹکارے کی صورتیں (آسانیاں) نکالتا رہے گا۔

نتائج کی بنیاد پر رائے قائم کرنا کفر اور مایوسی کا سبب بنتا ہے

وہ لوگ جو انجام پر اپنے تجزیے / پرکھنے کی بنیاد رکھتے ہیں، تو یہ چیز آخر کار انہیں کفر یا مایوسی کی جانب لے جاتی ہے۔ یہ بہت خطرناک بات ہے۔ کبھی بھی وسائل و اسباب کو نتائج کی بنیاد پر نہیں پرکھنا چاہیئے۔ بدقسمتی سے آج بہت سے مسلمان ایسا ہی کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ، فتح و شکست کے بارے میں بہت سے مسلمانوں کا انتہائی منافقانہ نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ اگر وہ فتح دیکھتے ہیں تو وہ اس کی تعریف کرتے ہیں اور دوسروں پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ بھی اس کا حصّہ تھے۔ اگر وہ شکست دیکھتے ہیں تو مسلمانوں پر تنقید شروع کر دیتے ہیں اور سب پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا اُس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ہم اپنی جدید تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ جب سوویت یونین نے افغانستان پر حملہ کیا، تو بہت سے مسلمان اس کے خلاف تیار ہونے لگے، اس کے متعلق خطبات دینے لگے اور جہاد کی تعریفیں کرنے لگے۔ لیکن جب امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا، بالکل انہی لوگوں نے ایک عین متضاد موقف پکڑ لیا۔ یہ مجاہدین کو نشانہ تنقید بناتے ہیں، ان کی تذلیل کرتے ہیں، ان پر دہشت گرد ہونے کا الزام لگاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ وہ حکمت سے عاری ہیں۔ فرق کیا ہے؟ اس سب کا واحد سبب یہ ہے کہ یہ مسلمان امریکہ سے خوفزدہ ہیں، کیونکہ یہ دعوی کرتے ہیں کہ امریکہ کسی کو بھی زیرِ عتاب لا سکتا ہے۔ یہ امریکہ سے اس کے بلند و بانگ نعروں اور عملی اقدامات کی وجہ سے ڈرتے ہیں۔ بش نے کہا کہ انصاف کا لمبا بازو تم تک جا پہنچے گا چاہے تم دنیا میں کہیں بھی ہو؛ پس اللہ ﷻ کے غضب سے خوفزدہ ہونے کے بجائے وہ امریکہ کے غضب سے خوفزدہ ہیں۔ بہت سے علماء کا آج افغانستان میں جہاد کے مخالف ہونے کی واحد وجہ اس میں امریکہ کا ملوث ہونا ہے۔ یہ نفاق کی علامت ہے۔ افغانستان میں پہلے بھی کفّار کے ہاتھوں حملہ ہوا اور اب بھی یہاں کفّار حملہ آور ہیں۔ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مجاہدین کی شکست کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی صفوں میں صفائی ستھرائی ہو جاتی ہے اور کفّار کے حق میں خوش ہونے والوں کا راز فاش ہو جاتا ہے۔لوگوں کو تب معلوم ہو جاتا ہے کہ مؤمنین کون ہیں اور منافقین کون ہیں۔ان کے متعلق اللہ ﷻ فرماتے ہیں:

﴿وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا﴾[النّساء 4:72]

''اور یقیناً تم میں بعض وہ بھی ہیں جو پس وپیش کرتے ہیں، پھر اگر تمہیں کوئی نقصان ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا''

جو لوگ لڑائی میں جانے کا سوچ رہے تھے اور پھر نتیجہ (مسلمانوں کی وقتی شکست) دیکھ کر کہنے لگے کہ 'الحمدللہ میں نہیں گیا! ورنہ میں شاید کسی جزیرے پر قید کیا گیا ہوتا' اللہ ﷻ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ وَ إِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾[النّساء 4:141]

''یہ لوگ تمہارے انجام کار کا انتظار کرتے رہتے ہیں پھر اگر تمہیں اللہ فتح دے تو یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ مل جائے تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ بچایا تھا؟ پس قیامت میں خود اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا''

لوگ مجاہدین کے دستوں میں شامل تو ہو جائیں گے، لیکن جب شکست کا سامنا ہوگا تو کہیں گے کہ ان کا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ جہاد کی عبادت کا فریضہ ان لوگوں کے سوا کوئی ادا نہیں کر سکتا جو اس کے لئے موزوں ترین ہیں۔اور یہ فریضہ ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو آزمائشوں اور ابتلاء کا سامنا

کرنے کے لئے موزوں ہیں۔ بسا اوقات جہاد کا فتح سے یا بہادری کے جھنڈے گاڑنے سے یا غنیمت حاصل کرنے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ آج جہاد کے ضمن میں قتل ہو جانا یا قید ہو جانا مضمر ہے۔ تاہم، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اس بات کو جہاد پر نہ جانے کا عذر بنالیں۔ ہماری تمام تر کوشش اور مال و دولت اسی جہت میں خرچ ہونے چاہئیں۔

اگر کوئی جہاد کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جہاد مخصوص اشخاص پر منحصر ہے تو پھر بالعموم ایسے لوگوں کو ناکامی کا سامنا ہوتا ہے۔ اگر یہ میدانِ جنگ میں مادی شکست نہ بھی ہو تو بھی یہ دلوں میں جذباتی شکست کا باعث بن جاتا ہے کہ جب آپ وہ قیادت ہی کھو دیتے ہیں جو آپ کے خیال میں آپ کو فتح دلانے والی تھی۔ چنانچہ، قائدین یا رہنماؤں پر انحصار کرنا غلط ہوتا ہے۔ ہمیں جہاد کو شخصیات پر انحصار کرنے سے آزاد کرنا ہے۔ ہمیں بے شک منصوبہ بندی اور دیگر امور کے لئے قیادت کی ضرورت ہے، لیکن قیادت کھو دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس وجہ سے مسلمانوں اور جہاد کے درمیان تعلق قطع ہو جائے۔ یہ کوئی افراتفری اور بدنظمی کی حالت کی جانب پکار نہیں جہاں کوئی قیادت سرے سے موجود ہی نہ ہو۔ بلکہ، ایک رہنما، مدبّر اور منظّم کے طور پر امیر موجود ہوتا ہے، لیکن وہ جہاد کی بقا کی خاطر موجود نہیں ہوتا۔ جب وہ وفات پا جاتا ہے تو ایک اور امیر اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ عین ممکن ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس رہنما کو اس سے بھی بہتر سے تبدیل کر دیں۔ تاریخ ایسے شیروں پر گواہ ہے جن کے بارے میں لوگ سمجھتے تھے کہ ان کے پاس ایسی کوئی مہارت نہ تھی۔ یہ امّت برستی بارش کی مانند ہے؛ آپ کو نہیں معلوم کہ اس کا تیز ترین حصّہ شروع میں آئے گا یا اخیر میں۔ اور جب رہنما قتل کر دیا جاتا ہے تو وہ مسلمان جوان سب باتوں کو سمجھتے ہیں، ان کی اس راہ میں قوت و مضبوطی میں مزید اضافہ ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ جہاد کے رب کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ جہاد کی قیادت کی عبادت! رہنما کی موت کا امکان بالکل ویسا ہی ہے جیسا کسی عام سپاہی کی موت کا امکان۔ درحقیقت، ہمارے رہنما شہادت کے متلاشی ہیں تاکہ وہ جنت میں اپنی بیویوں کو مل سکیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ایسا قرب حاصل کر سکیں جو پہلے کبھی حاصل نہیں ہوا؛ وہ بہت بے چینی سے اس دن کے منتظر ہیں۔

پس ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد ایک **مستقل** عنصر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جہاد میں اضافہ ہوا کمی نہیں ہوئی! اسلام کی توسیع خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ادوار میں ہوئی۔ جہاد ایک اتنا مضبوط ستون ہے کہ کسی مخصوص رہنما کی عدم موجودگی اس کو نہیں ہلا سکتی۔

❀❀❀

''منافع کی حفاظت سے زیادہ فوقیت اصل زر کی حفاظت کو حاصل ہے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

③ تیسرا عنصر: جہاد کا انحصار کسی خاص جگہ پر نہیں ہوتا

اب جبکہ ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ جہاد تا قیامت جاری رہے گا، اب ہم مزید یہ دلائل پیش کریں گے کہ جہاد کا انحصار کسی خاص جگہ پر نہیں ہوتا۔

لوگ کہتے ہیں کہ اگر آپ جہاد کرنا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو کسی مخصوص علاقے میں جانا ہو گا۔اس سوچ کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ان مخصوص علاقوں میں جہاد رُک جاتا ہے تو پھر کوئی شخص کہاں جہاد کرے گا؟ لہٰذا ہمیں ایک اہم اصول وضع کرنا ہے: جہاد عالمگیر ہے۔ یہ کوئی مقامی معاملہ نہیں ہے۔ جہاد سرحدوں اور باڑوں/رنگ و نسل کی بندیوں کی وجہ سے نہیں رکتا؛ یہ چیزیں جہاد کی راہ نہیں روک سکتیں۔ جہاد نوآبادیاتی استعماری سرحدوں کو نہیں پہچانتا جو ماضی میں ملکوں میں قائم کی گئی تھیں اور کسی غاصب حکمران نے نقشے پر کھینچی تھیں؛ جہاد اِن تخیلاتی سرحدوں کو شناخت نہیں کرتا۔

جہاد آپ کی زندگی کا جزوِ لازم ہونا چاہیے

اگر کوئی مسلمان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا پیغام آگے پہنچانا چاہتا ہے تو پھر اسے جہاد کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فہم تھا۔ یہی فہم ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کے رستم، اہلِ فارس کے قائد/سردار، کے نام لکھے گئے خط سے آشکارہ ہوتا ہے۔ ربعی رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جنہیں ایک قاصد کے طور پر فارسی سردار کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔سردار نے ان سے آنے کی وجہ پوچھی۔ ربعی رضی اللہ عنہ نے جارحانہ جہاد کی مقاصد یہ کہہ کر مختصراً بیان کیے کہ: **'اللہ نے ہمیں بھیجا ہے تا کہ ہم لوگوں کو، جنہیں وہ چاہے، اللہ کے غلاموں کی غلامی سے آزاد کرا کر اللہ کی غلامی میں لے آئیں، اور ہم لوگوں کو اس دنیا کی تنگی سے نجات**

دلا کر اِس اور اگلے جہاں کی وسعت سے روشناس کرا دیں، اور مذہب کے جبر سے آزاد کرا کر اسلام کا عدل و انصاف فراہم کریں۔ اس نے ہمیں دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ ہم لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اور اگر تم اسلام قبول کرتے ہو تو ہم تمہیں اس جگہ کا سردار رہنے دیں گے۔ اور جو کوئی ہماری دعوت سے انکار کرے گا، تو پھر ہم ان سے اس وقت تک لڑیں گے جب تک ہم اللہ کے وعدے تک نہ پہنچ جائیں۔' ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کا مفہوم یہ تھا کہ بتوں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کی پرستش غلط ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہم تمہیں بچانے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ اگرچہ ہدایت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے، لیکن ان کا مطلب یہ تھا کہ 'ہمیں بھیجا گیا ہے کہ تمہیں اللہ کے قانون کی جانب لے چلیں۔' قرآن لوگوں کی سچائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور انہیں آئندہ آنے والے مراحل کے بارے میں بتاتا ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو انسان کی روح کو پاک صاف کر دیتی ہے۔ قرآن ہر چیز کی اس کے اصل تناظر میں وضاحت کرتا ہے اور آپ کو اس حقیقت سے آگاہ کرتا ہے کہ یہ دنیا اصل میں ہے کیا۔ ایک سچّا مسلمان یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ انبیاء کا پیروکار ہے۔ رستم نے پوچھا: **'اور اللہ کا وعدہ کیا ہے؟'** ربعی رضی اللہ عنہ نے کہا: **'جو مارے جائیں ان کے لئے جنّت اور جو زندہ رہیں ان کے لئے کامیابی۔'** جارحانہ جہاد میں آپ دعوت و تبلیغ کرتے ہیں؛ یہی اس کا مقصد ہے۔ آپ خلافت کی توسیع کر رہے ہیں۔ دفاعی جہاد (جہاد الدفع) میں کوئی دعوت و تبلیغ نہیں ہوتی کیونکہ آپ دشمنوں کو اپنے علاقے سے نکال رہے ہوتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ 'آپ غاصبوں کے ساتھ اتنا جابرانہ سلوک کیوں کر رہے ہیں؛ کیا آپ کو انہیں دعوت و تبلیغ نہیں کرنی چاہیے؟' نہیں، انہوں نے ہمارے علاقے میں دراندازی کی اس لئے ہم ان سے جابرانہ برتاؤ روا رکھیں گے۔ آپ ان کو دعوت و تبلیغ صرف ان کے علاقوں میں جا کر کر سکتے ہیں۔ اگر وہ ایک فوج کے ساتھ آئیں گے تو پھر ان سے برابر کی قوت سے سامنا کریں گے۔ اگر کسی علاقے میں دفاعی جہاد ہو رہا ہو تو پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نظر میں جہاد لڑنا دعوت و تبلیغ کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ جیسے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: **'منافع کی حفاظت سے زیادہ فوقیت اصل زر کی حفاظت کو حاصل ہے۔'** یہاں اصل زر مسلمان ہیں، اور اس (صورتحال) پر ممکنہ منافع جو آپ

کما سکتے ہیں وہ دعوت و تبلیغ ہے۔ پس اصل سرمایے کی حفاظت منافع کی حفاظت سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

کوئی بھی مسلمان جو اسلام پر یقین رکھتا ہے اور اسلام کو پھیلانا چاہتا ہے کو لازماً یہ یقین کرنا چاہیئے کہ جہاد ہر دور اور عمر میں موزوں ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ مسلمان دنیا بھر میں فساد برپا کرنا چاہتے ہیں، جیسے کہ وہ کوئی عاقبت نا اندیش جھگڑالو ہوں۔ نہیں! بلکہ جب (جہاد کے) شرائط اور لوازمات موجود ہوں تو پھر جہاد ہر دور اور عمر میں موزوں ہوتا ہے۔ ہر مسلمان کا اس بات پر پختہ ایمان ہونا چاہیئے کہ جہاد تا قیامت جاری رہے گا، پس اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ آج بھی کہیں نہ کہیں جہاد ہو رہا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے دو طرح کی شرائط ہیں:

☆ شرعی شرائط

☆ تزویراتی (اسٹریٹیجک) شرائط

اس فہم کا ہونا آپ کو جہاد فی سبیل اللہ کی عبادت میں حصّہ لینے کے لئے آزاد کر دے گا چونکہ آپ اسے کسی مخصوص خطّۂ ارض سے منسوب نہیں کریں گے۔ بالفاظِ دیگر، لوگ کہیں گے کہ اگر آپ نے اسرائیلیوں سے لڑنا ہے جنہوں نے فلسطین پر غاصبانہ قبضہ جما رکھا ہے تو پھر آپ اُن سے صرف فلسطین میں ہی لڑ سکتے ہیں اور اس کے علاوہ دنیا میں کہیں نہیں لڑ سکتے؛ یہ ایک قطعاً غلط اور بے بنیاد تصوّر ہے۔ کون کہتا ہے کہ جو جنگ وہ مسلمانوں پر مسلّط کرتے ہیں اسے اس قطعۂ زمین تک ہی محدود رکھنا ہے جس پر وہ قابض ہوئے ہیں۔ اگر کوئی مخصوص افراد (قوم) شریعت کے مطابق اہل الحرب قرار پاتے ہیں تو پھر ان سے جہاد کرنا پوری دنیا میں کہیں بھی لاگو ہوتا ہے۔ یہ کسی مخصوص علاقے تک محدود نہیں رہتا۔ مسلمان مکّہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے؛ کسی نے یہ نہیں کہا کہ اگر انہیں قریش سے لڑنا ہے تو پھر انہیں صرف مکّہ میں ہی لڑنا چاہیئے اور اس کے علاوہ کہیں نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں بنیاد قائم کی اور وہاں سے لڑائی کی۔

اسلام ایک ایسی جگہ پہنچا جو رسول اللہ ﷺ کو پسند نہ تھی، جو کہ مدینہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ

نے اسلام کو اپنے علاقے کے مطابق ترمیم وتبدیل نہیں کیا بلکہ انہوں نے اسلام کے مطابق علاقے میں ترمیم وتبدیلی کرلی۔ یہ اس کے منافی ہے جو مغرب میں رہنے والے مسلمان اب کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہم مغرب میں رہتے ہیں اس لئے ہمارے لئے مغربی اسلام یا امریکی اسلام ہونا چاہیئے۔ مراد یہ ہے کہ مسلمان کسی بھی امریکی کی مانند زندگی بسر کریں اور ان کی تہذیب وثقافت ،تعلیمات ،اور خواہشات وغیرہ کی پیروی کریں۔ اگر آپ کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ کو کسی خاص علاقے کے مطابق اسلام میں ترمیم وتبدیلی کرنے کی ضرورت ہے تو پھر آپ کو وہاں سے ہجرت کر لینی چاہیئے۔ اگر آپ کہیں اسلام پر اس کی مکمل صورت میں عمل نہیں کر سکتے تو پھر آپ کو وہ علاقہ چھوڑ دینا چاہیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ مجھے مکّہ میں ہی رک کے رہنا چاہیئے ،ایک اچھا شہری بن کر، کچھ دعوت و تبلیغ کرنی چاہیئے ،انتہاء پسندی کا پرچار چھوڑ دینا چاہیئے ،ان کے خداؤں اور معاشرے کے خلاف بولنا ترک کر دینا چاہیئے ،تا کہ لوگوں کو اسلام سے محبت کرنے پر مائل کیا جا سکے۔نہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسلام اس کی خالص ترین صورت میں پہنچایا اور فرمایا کہ ان کا اس پر کوئی اختیار نہیں اور وہ اسے تبدیل نہیں کر سکتے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بھی قرآن میں یہ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾[المائدة5 :67]

”اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی اور آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچالے گا، بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا“

ایک قبیلہ اسلام پر رضا مند ہو گیا لیکن ساتھ ایک شرط عائد کر دی: رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد انہیں بادشاہ بنا دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے انکار فرما دیا، کیونکہ زمین اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ملکیت ہے اور نبی اس چیز پر اپنا اختیار نہیں چلا سکتا کہ زمین پر کون اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نائب کے طور پر اختیارات کا مالک ہو گا۔ ایک اور قبیلہ اسلامی ریاست کی حفاظت کے لئے تیار ہو گیا لیکن انہوں نے کہا کہ وہ اسے

فارسیوں سے نہیں بچائیں گے؛ لیکن وہ اسے کسی بھی دوسرے عرب قبیلے سے بچا سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس دین کی حفاظت اس شخص کے سوا کوئی نہیں کر سکتا جو ہمیں ہر طرف سے ڈھانپ سکے۔ یا تو آپ دین پر کسی بھی جانب سے ہونے والے کسی بھی حملے سے اسے محفوظ رکھنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہو جائیں؛ یا پھر بصورتِ دیگر آپ نے اپنی ذمہ داری ادا نہیں کی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کی یہ پیشکش مسترد کر دی۔ بعدازاں انہوں نے اہلِ مدینہ کو ان باتوں کا بہت گرویدہ پایا جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی تھیں۔ انہوں نے پھر آپ ﷺ سے دریافت کیا: **'اور بدلے میں ہم کیا پائیں گے یا رسول اللہ ﷺ؟'** آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **'جنّت'**۔ انصار اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے: **'یہ تو بہت منافع بخش سودا ہے اور ہم اس سے پیچھے نہیں ہٹیں گے'**۔ مغرب میں بہت سے مسلمان اصول الفقہ کو اس انداز میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس سے ایک ایسی فقہ تشکیل ہو جس کے مطابق اسلام مغربی معیارات کو قبول کر لے۔ اس مقصد کے لئے انہیں کچھ عقائد کو چھپانا تک بھی کرنا پڑتا ہے کیونکہ وہ بہت مغرب کے لئے بہت 'شدید' ہوتے ہیں، لہٰذا کچھ عبادات کو خذف کر دیا جاتا ہے۔ پس، بنیادی طور پر وہ اسلام کو مغرب کے لئے تبدیل کر رہے ہیں، اور ظاہر ہے یہ اسلام کی وہ قسم ہے جس کا پرچار مغرب کرتا ہے اور اس سے خوش ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشرق سے مغرب تک اسلام پھیلانے کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلے؛ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مدینہ چھوڑنے کی وجہ وہ نہیں تھی جو ان کے مکّہ چھوڑنے کی وجہ تھی (جو کہ وہاں سے سب کچھ چھوڑ کر بھاگ جانا تھی۔) بلکہ انہوں نے مدینہ اس لئے چھوڑا کہ انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کرنا تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ اپنے مؤطا میں بیان فرماتے ہیں کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اپنے دوست سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو اس پیغام کے ساتھ ایک خط بھیجا کہ **'ارضِ مقدس میں آؤ'**۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا **'ارضِ مقدسہ کسی کو مقدس نہیں بناتی، یہ آپ کے اعمال ہوتے ہیں جو آپ کو مقدس بناتے ہیں'**۔ [مؤطا امام مالک: کتاب 37، نمبر 37.8.7] ان لوگوں نے جہاد کو صرف مکّہ یا مدینہ سے منسلک نہیں کر رکھا تھا، بلکہ دنیا میں ہر اس جگہ سے جہاں اس کی شرائط اور لوازمات پوری ہو رہی ہوں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’جہاد میں کم از کم شرکت سال میں ایک مرتبہ ہے، اور اس سے جتنا زیادہ ہو اتنا ہی اچھا ہے۔ اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ آپ پر ایک برس گذر جائے اور کوئی قتال نہ ہو ما سوائے اس کے کہ کسی عذر کے تحت (قتال نہ ہو) جیسے مسلمانوں کی کمزوری اور دشمن کی بڑی تعداد، یا آپ کے ان پر پہلے حملہ کرنے کی صورت میں پامال ہونے کا خوف، یا وسائل کی کمیابی، یا دیگر ایسے عذر۔ بصورتِ دیگر، اگر کوئی عذر نہیں ہے تو پھر اس امر کی اجازت نہیں ہے کہ مشرکوں پر حملہ کرنے میں ایک سال سے زیادہ کی تاخیر کی جائے۔‘

امام الحرمین فرماتے ہیں: ’میں علمائے اصول کا موقف اپناتا ہوں۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ جہاد کا بلاوا ایک فرض ہے اور اسے حسبِ استطاعت قائم کرنا لازم ہے یہاں تک کہ دنیا میں سوائے مسلمانوں کے کوئی باقی نہ بچے یا وہ جو مسلمانوں کے ماتحت اور پابند ہو کر رہیں۔ پس جہاد سال میں ایک مرتبہ تک محدود نہیں ہے۔ یہ جتنا ہو سکے اتنا زیادہ تسلسل سے کرنا چاہئے۔ علمائے فقہ نے یہ جو بیان کیا ہے (ایک سال کا وقفہ) وہ اس لئے ہے کہ عموماً جنگ کی تیاریوں میں جتنا وقت صرف ہوتا ہے وہ جہاد کرنے کی قابلیت/اہلیت کو سال میں ایک مرتبہ تک محدود کر دیتا ہے۔‘

فقہ حنبلی کی کتاب المغنی کے مصنّف بیان کرتے ہیں: ’کم از کم جہاد سال میں ایک مرتبہ ہے، پس یہ ہر سال فرض ہے۔ اگر سال میں ایک مرتبہ سے زیادہ جہاد کی ضرورت پیش آ جائے، تو پھر مسلمانوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اس ضرورت کی تکمیل کریں۔‘

قرطبی اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں: ’امام پر فرض ہے کہ وہ ہر سال میں ایک مرتبہ مسلمانوں کی فوج دشمن کے علاقے میں روانہ کرے اور امام خود بھی ایسی مہمات میں حصّہ لے۔ اگر ایسا نہیں کر سکتا، تو پھر اسے کسی ایسے قابل شخص کو بھیجنا چاہئے جس پر اسے اعتماد ہو، تاکہ انہیں اسلام کی دعوت دے، ان کے ضرر کو روکے رکھے، اللہ کے دین کو کامیابی دلائے، تا حال کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں یا جزیہ ادا کریں۔‘

یہاں یہ غور کریں کہ قرطبی بیان کرتے ہیں کہ افواج کو بھیجنے کا ایک مقصد یہ ہے کہ دشمن کے

ضرر کو دور کیا جائے۔ یہ ایک نشاندہی ہے کہ مسلمان اگر اللہ کے دشمنوں اور ان کے میدانوں پر حملہ آور نہ ہوں گے تو وہ اپنی زندگیوں میں کبھی بھی سکون کا مزہ نہیں چکھ سکیں گے۔اس فریضہ کو ادا نہ کرنے کا خمیازہ وہ قیمت ہے جو آج ہم چُکا رہے ہیں۔اگر آپ شیطان کا سد باب نہیں کریں گے تو وہ آپ کو آپ کے حال پر (بے ضرر) نہیں چھوڑے گا۔

”ان علماء سے کنارہ رکھیں جو بادشاہوں کے در پر رہتے ہیں۔۔۔“

امام غزالی رحمہ اللہ

باب چہارم

چوتھا عنصر: جہاد کا انحصار کسی جنگ پر نہیں ہوتا

- اپنے آپ کو تیار کرنا

④ چوتھا عنصر: جہاد کا انحصار کسی جنگ پر نہیں ہوتا

لوگوں کو ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر انہوں نے کوئی خاص جنگ جیت لی تو اس صورت میں وہ جہاد کرنے میں حق بجانب تھے، لیکن اگر وہ جنگ ہار جائیں تو پھر وہ کہتے ہیں کہ ان کا جہاد کرنے کا فیصلہ سرے سے ہے غلط تھا۔ یہ ایک سنگین مسئلہ ہے، یہی وجہ ہے کہ مصنف نے اس نکتے کو متعدد بار دہرایا ہے۔ لوگ جہاد کے متعلق اپنی فہم کو نتائج کی بنیاد پر مرتب کرتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اگر مجاہدین کا کوئی گروہ کوئی جنگ جیت لیتا ہے تو پھر وہ درست راہ پر تھے اور اگر وہ شکست کھاتے ہیں تو پھر وہ غلط راہ پر تھے۔ یہ ایک غلط سوچ ہے۔

رسول اللہ ﷺ روزِ قیامت ایسے انبیاء کو دیکھیں گے جن کے ساتھ کوئی پیروکار نہیں ہوں گے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ انبیاء ناکام ہو گئے؟ نہیں! انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ انہوں نے اپنی دعوت وتبلیغ کی ذمّہ داری نبھا دی، لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔ اگر کوئی ان کے ساتھ نہ ہوا تو اس کا ناکامی سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ہدایت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، انبیاء یا کسی اور کے ہاتھ میں نہیں۔ کیا

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہی چچا ابو طالب کو دعوت و تبلیغ کرنے میں ناکام ہو گئے۔ ہرگز نہیں۔ انہوں نے اپنا بنیادی فریضہ ادا کیا اور اس سے بھی بڑھ کر کوشش کی۔ ان کے چچا کا دل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاتھ میں تھا نہ کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں۔

ہماری تاریخ میں کچھ ایسے مقام آئے جہاں مسلمانوں نے کسی جنگ میں شکست کھائی اور سمجھا کہ کہ اب وہ کبھی اپنے قدموں پر کھڑے نہیں ہو سکیں گے۔ ان جنگوں میں سے بدترین وہ جنگ تھی جو تاتاریوں کے ساتھ 666ھ میں ہوئی۔ جب تاتاری الشّام کے علاقے عراق میں داخل ہوئے اور 40 روز قیام کیا تو انہوں نے ان 40 دنوں میں دس لاکھ سے زائد افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا، یہ 25,000 اموات فی یوم اوسط شرح ہوئی۔ پھر انہوں نے الشّام کی جانب پیش قدمی کی اور ہر معرکے میں مسلمانوں کو شکست دی۔ چنانچہ اس وقت مسلمان شدید مایوسی کا شکار ہو گئے؛ انہیں لگا کہ تاتاری ناقابلِ تسخیر لوگ ہیں اور ان سے جیتنا ناممکن ہے۔ سلطنتِ اسلامیہ کو مکمل طور پر فتح کر لینے میں بس کچھ علاقے باقی رہ گئے تھے۔ لیکن پھر کیا ہوا؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان آزمائشوں کے ذریعے مسلمانوں کا تزکیہ نفس کیا اور وہ اپنی دعاؤں اور جہاد میں مخلص ہو گئے اور پھر انہوں نے تاتاریوں کو عین جالوت کے معرکے میں شکست دے دی۔ یہ ایک اہم شکست اور نکتہ عود (کایا پلٹ) تھی۔ جب مسلمان فتحیاب ہوئے تو یہ فتح ان کی طاقت کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی، کیونکہ وہ پہلے ہی اپنی اچھی خاصی طاقت تاتاریوں کے آگے گنوا چکے تھے۔ سو اگر آپ منطق کے ساتھ بحث کریں کہ مسلمانوں کو تو شروع میں ہی فتحیاب ہو جانا چاہئے تھا کیونکہ ان کی فوج مکمّل تھی اور ان کے وسائل بے بہا تھے، تو آپ دیکھیں گے کہ آخر میں جب وہ واقعتاً کامیاب ہوئے تو اس وقت ان کی فوج قلیل اور وسائل محدود رہ گئے تھے۔ پس آپ فتح یا شکست کی وضاحت منطق کے ساتھ نہیں کر سکتے؛ مسلمان اپنی تعداد یا وسائل کی بنیاد پر فتحیاب نہیں ہوتے۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم و رضا کی بنیاد پر فتحیاب ہوتے ہیں۔ فتح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے ایک تحفہ ہوتی ہے۔

اپنے آپ کو تیار کرنا

ہمیں اپنے طور پر بہترین تیاری کرنی چاہیئے اور پھر لڑنا چاہیئے۔ اگر ہم ناکام ہو بھی جائیں تو بھی ہم اپنی بساط کے مطابق سب کچھ کر چکے اور جہاد فی سبیل اللہ کر کے اپنے پر عائد فریضہ اس طرح ادا کر چکے جس طرح ہمیں کرنا چاہیئے تھا۔ اس صورت حال میں ہم نتائج اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر چھوڑتے ہیں۔ تاہم، تیاری ضروری ہے، خصوصاً آج کے دور میں کہ جب جنگی طریقے ترقی یافتہ اور بہت پیچیدہ ہو چکے ہیں۔ کوئی بھی مسلمان جو اپنی جہاد فی سبیل اللہ کی خواہش میں سنجیدہ ہے، اسے تیاری کو وقت دینا پڑتا ہے۔ اگر مسلمان اس وجہ سے شکست کھائے کہ اس نے تیاری نہیں کی تھی (یا عمدہ تیاری نہیں کی تھی)، تو پھر وہ اس بات کے لئے جوابدہ ہے۔ مزید برآں، اگر کوئی مسلمان سرے سے ہی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیاری نہیں کر رہا تو پھر وہ گناہ کا مرتکب ہے کیونکہ جب جہاد فرضِ عین ہے تو پھر اس کے لئے تیاری بھی فرضِ عین ہے، اور اگر جہاد فرضِ کفایہ ہے تو پھر اس کے لئے تیاری بھی فرضِ کفایہ ہے۔ چنانچہ تیاری پر وہی حکم نافذ ہوتا ہے جو جہاد پر۔ اس بات کو سمجھیئے، ہمیں بھائیوں سے یہ مطلوب نہیں ہے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کے متعلق گفتگو کرتے رہیں کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ کا تعلق باتوں سے نہیں ہے؛ یہ خالص عمل ہے۔

اگر ہم یہ کہیں کہ جہاد کسی جنگ پر منحصر ہے تو پھر یہ بات مایوسی اور جہاد فی سبیل اللہ کے انقطاع کی جانب لے جائے گی۔ ہم اپنی تعداد یا تیاری کی بنیاد پر نہیں لڑ رہے؛ یہ ممکن ہے کہ ہمارے پاس ہر لحاظ سے اپنے دشمن سے زیادہ (اسباب و تیاری) ہو مگر ہم پھر بھی شکست کھا جائیں۔ کیوں؟ کیونکہ ہم نے فتح کی شرائط پوری نہیں کیں۔ پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اور ہماری صفوں کو پاک وصاف کر دینا چاہتے ہیں اور پھر اس کے بعد ہم فتحیاب ہوں گے۔

ہم فتح کے لئے جوابدہ نہیں ہیں، ہم اس بات کے لئے جوابدہ ہیں کہ آیا ہم وہ کر رہے ہیں یا نہیں جس کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں حکم دیتا ہے۔ ہم جہاد اس لئے لڑتے ہیں کہ یہ ہم پر فرض ہے، ہم جیتنے یا ہارنے کے لئے نہیں لڑ رہے۔ ہمیں تیاری اور جہاد فی سبیل اللہ کی عبادت کی ادائیگی کے ضمن میں اپنی ذمّہ داری ادا کرنی ہے اور پھر ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں. بالکل جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

غزوۂ بدر سے قبل وہ سب کچھ کیا جو انسانی نقطۂ سے ممکن تھا؛ جیسے فوج کی مالی پشت پناہی، مسلمانوں کی لڑنے کے لئے حوصلہ افزائی، صفوں کی درستگی (استوائی/سیدھا کرنا)، درست مقام بندی وغیرہ۔ یہ سب کچھ مکمل ہو جانے کے بعد پھر آپ ﷺ نے کیا کِیا؟ وہ ایک گوشے میں گئے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ایک طویل اور پرخلوص دعا کی کہ وہ مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائے۔

علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: 'آپ اپنے دشمن کو کس طرح شکست دیتے ہیں؟' انہوں نے کہا: 'جب میں اپنے دشمن کے دوبدو ہوتا ہوں تو میں پورے یقین کے ساتھ یہ سوچتا ہوں کہ میں اسے شکست دے دوں گا جبکہ وہ بھی یہ یقین رکھتا ہے کہ میں اسے شکست دے دوں گا، پس میں خود اور وہ دونوں ہی اس کے خلاف میری حمایت و پشت پناہی کرتے ہیں۔'

باب پنجم

پانچواں عنصر: فتح صرف عسکری کامیابی تک محدود نہیں

- کامیابی کا پہلا مفہوم: 8 رکاوٹوں کے خلاف کامیابی
- کامیابی کا دوسرا مفہوم: شیطان کی ناکامی
- کامیابی کا تیسرا مفہوم: مجاہد ہدایت یافتہ ہوتا ہے
- کامیابی کا چوتھا مفہوم: حوصلہ شکن افراد کے خلاف کامیابی
- کامیابی کا پانچواں مفہوم: راہِ جہاد پر ثابت قدم رہنا
- کامیابی کا چھٹا مفہوم: اپنے جان و مال کی قربانی دینا
- کامیابی کا ساتواں مفہوم: آپ کی سوچ / تصوّر کی کامیابی
- کامیابی کا آٹھواں مفہوم: دشمن کی تباہی بذریعۂ کرامات
- کامیابی کا نواں مفہوم: کفّار کے لئے غربت و افلاس
- کامیابی کا دسواں مفہوم: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شہداء قبول فرمانا
- کامیابی کا گیارھواں مفہوم: میدانِ جنگ میں کامیابی
- خلاصہ

⑤ پانچواں عنصر: فتح صرف عسکری کامیابی تک محدود نہیں

ہمیں فتح کو اس کے عمومی اور لفظی مفہوم کے اطلاق تک محدود نہیں کرنا چاہئے۔ اسلام نے اس لفظ کی ایک نئی تعریف مہیا کی؛ اسلام نے بہت سے قدیم الفاظ کا مفہوم تبدیل کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر، قبل از اسلام عربوں میں لفظ 'صلوٰۃ' کا مطلب دعا تھا۔ لیکن اسلام نے آ کر اس کو ایک نیا مفہوم دے دیا، جس طرح ہم آج 'صلوٰۃ' کو سمجھتے ہیں: نماز۔ لفظ 'صیام' کا مطلب کسی چیز سے گریز کرنا تھا، جبکہ اسلام نے اس کی تعریف بدل کر سحر سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے سے رکنا کر دیا۔ پس جب ہم فتح کی بات کرتے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فتح کو بھی ایک نیا مفہوم عطا کیا ہے۔

بہت سے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے جیتنے کے لئے انہیں میدانِ جنگ میں مادی فتح کی ضرورت ہے۔ تاہم اگر ہم قرآن کا دقیق مطالعہ کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فتح کی ضمانت نہیں دی ہے۔ ایک شخص جو جہاد فی سبیل اللہ لڑتا ہے، اس کا ہر معرکے میں فتحیاب ہونا ضروری نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾ [آل عمران 3:140]

"اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمہارے مخالف لوگ بھی تو ایسے ہی زخمی ہو چکے ہیں، ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ (شکست اُحد) اس لئے تھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہر کر دے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا"

یہ آیت اُحد کے بعد نازل ہوئی؛ وہ (مسلمان) حیران تھے کہ وہ شکست کھا گئے۔ کیوں؟ کیونکہ بدر میں ان کی کارکردگی اور فتح نے انہیں اس خیال میں مبتلا کر دیا کہ وہ ہر معرکہ جیتیں گے۔ پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان پر وضاحت فرمائی کہ اصل چیز اس کی منشاء ہے۔ ایک دن آپ فتحیاب

ہوتے ہیں اور ایک دن آپ شکست کھاتے ہیں۔ یہ آیت ہمیں یہ دکھانے کے لئے نازل ہوئی کہ اللہ ﷻ کا یہ قانون جاری رہے گا۔

اگر ہم اپنے زاویہ فکر کو وسیع رکھیں تو ہم اس بات کا ادراک حاصل کر سکیں گے کہ جو بھی اسلام کی چوٹی (یعنی جہاد) پر سوار ہوتا ہے وہ کبھی بھی ناکام نہیں ہوتا اور ہمیشہ کامیاب ہی ہوتا ہے، لیکن یہ کامیابی ہمیشہ مادی (نظر آنے والی) کامیابی نہیں ہوتی!

اسلام میں فتح کے گیارہ مفہوم ہیں:

کامیابی کا پہلا مفہوم: 8 رکاوٹوں کے خلاف کامیابی

1۔ سب سے بڑی کامیابی اپنے نفس، اپنے شیطان، اور اس دنیا سے لگاؤ کے مقابلے میں کامیابی ہے۔ مجاہد وہاں پر کامیابی حاصل کرتا ہے جہاں امّت کی اکثریت ناکام ہو جاتی ہے: قربانی دینا اور اللہ ﷻ کی راہ میں نکلنا۔ اللہ ﷻ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَ أَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَ أَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَايَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ [التوبة 9:24]

''آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ کے جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم نافذ کر دے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا''

یہ ان آٹھ رکاوٹوں کا ذکر ہے جو ایک مسلمان اور جہاد کے درمیان پائی جاتی ہیں۔ اگر ان کے علاوہ کوئی رکاوٹیں ہوں تو ان کا تعلق بھی انہیں سے ہوتا ہے۔ آیئے ان میں سے ہر ایک رکاوٹ پر

نظر ڈالتے ہیں:

ا۔ **'تمہارے باپ'**......آج کے دور میں امّت اسلام کی جانب اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے میں سخت کمزور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں لیکن وہ واقعی یہ نہیں جانتے کہ اللہ ﷻ ان سے کیا توقع رکھتے ہیں اور کیا حکم دیتے ہیں۔ آج جہاد فی سبیل اللہ ایک فریضے کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاہم، آپ بہت کم والدین کو اپنے بچّوں کو جہاد کرنے کی ترغیب دلاتے دیکھیں گے۔ پس امّت میں اکثریت کی سطح پر باپ ایک رکاوٹ کی حیثیت اختیار کیے ہوئے ہے؛ باپ اپنے بیٹے کو جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت نہیں دے گا۔ خطّاب [دورِ حاضر کے ایک مسلمان مجاہد شہید انشاءاللہ] نے کہا تھا: **'اگر ہم اپنے باپوں کی نافرمانی نہ کرتے تو ہم میں سے ایک بھی جہاد فی سبیل اللہ نہ لڑسکتا۔'** اس سلسلے میں والدین کی نافرمانی ایک نیکی ہے کیونکہ آپ اللہ ﷻ کی فرمانبرداری کے لئے کر رہے ہیں؛ اس کے علاوہ ہر وہ چیز جو شریعت کے مطابق ہے اس میں فرمانبرداری لازم ہے۔ جہاں (والدین کی مرضی اور اللہ ﷻ کی مرضی میں) اختلاف واقع ہوا، وہاں آپ نے اللہ ﷻ کی رضا کو منتخب کرنا ہے۔ پس اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ جو کوئی اللہ ﷻ کی فرمانبرداری کی خاطر والدین کی نافرمانی کرتا ہے وہ اپنے عمل سے یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کا اس کے والدین کے ساتھ رشتہ بھی اللہ ﷻ کی خاطر ہی ہے۔ ایسا کرنا اللہ ﷻ کو راضی کرنے کا ذریعہ ہے۔

ب۔ 'تمہارے لڑکے'......والدین کو ان کے بچّے بہت عزیز ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اولاد تمہیں بخیل اور بزدل بنا دیتی ہے۔ یہ وہ دو بیماریاں ہیں جو لوگوں میں پیدا ہو جاتی ہیں، اِلّا ماشاءاللہ۔ والدین بخیل کیوں ہو جاتے ہیں؟ اس لئے کہ ان کے بچّے ہوتے ہیں جن کے لئے انہیں خوراک، کپڑے، کھلونے وغیرہ خریدنے ہوتے ہیں، لہٰذا جہاں پیسے خرچ کرنے کی بات آئے ان کے ہاتھ تنگ ہو جاتے ہیں۔ یہ بات ایک فرد کو بارہا سوچنے پر بھی مجبور کر دیتی ہے۔ ایک فرد دوسرے سے پوچھتا ہے کہ 'کہ تم جا کر جہاد فی سبیل اللہ کیوں نہیں لڑتے؟'، جس کا جواب آتا ہے کہ 'اپنے کنبے کی پرورش کرنا ہی میرا جہاد ہے۔' ایسے لوگ اپنے آپ کو یہ سوچ کر دھوکہ دے رہے ہوتے

ہیں وہ بھی مجاہد فی سبیل اللہ ہی ہیں۔اس کا کنبہ تو جہاد فی سبیل اللہ میں رکاوٹ ہے۔بدقسمتی یہ ہے کہ یہ بیماری ان لوگوں تک بھی جا پہنچی ہے جو جہاد فی سبیل اللہ کو سمجھتے ہیں اور جو خود کسی زمانے میں مجاہدین تھے لیکن پھر ان کی شادیاں ہوگئیں، بچّے ہو گئے، اور بہر طور یہ ان کے پیچھے ہٹ کر جا بیٹھنے کا عذر بن گیا۔یا ایک فتنہ ہے جو انہیں جکڑ لیتا ہے۔لہٰذا، جب کوئی شخص پیچھے ایک گھرانہ چھوڑ کر آیا ہو ہو تو اس صورت میں اسے جہاد فی سبیل اللہ کرنے کا زیادہ اجر ملنے کا امکان ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب دیکھئے، انہوں نے سب سے زیادہ فتنوں کا سامنا کیا۔ایک سے زائد بیویاں کیں۔ان کے ایک یا دو سے زائد بچّے ہوتے۔اور اپنے کنبے کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ان کے پاس بہت محدود وسائل ہوتے تھے؛ اور اس سب کے باوجود وہ جہاد فی سبیل اللہ لڑنے کا بڑا قدم اٹھاتے۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ سے مدینہ ہجرت کی تو چند مسلمان ایسے تھے جو اپنے پیچھے ٹھہرے رہ گئے کیونکہ ان کے دل ان کے خاندانوں میں جکڑے گئے تھے کہ وہ ان کی دیکھ بھال کر سکیں، اگرچہ کہ اس وقت ہجرت کرنا فرض عین تھا۔ہفتے، مہینے، اور سال گذرتے چلے گئے اور بالآخر مسلمانوں نے مکّہ فتح کر لیا۔یہ مسلمان جو پیچھے ٹھرے تھے زبردست ترین مواقع سے محروم رہ گئے: غزوات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیتی نشستوں میں شمولیت، مسجدِ نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات میں شرکت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے استفادہ، مدینہ کی اسلامی برادری میں رہائش وغیرہ۔وہ ان سب چیزوں سے صرف ایک عمل نہ کرنے کی وجہ سے محروم رہ گئے: ہجرت۔ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **'نیکیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں اور گناہ بھی بڑھتے چلے جاتے ہیں۔'** یہ ایک گناہ تھا جو بڑھتا چلا گیا؛ وہ اتنی زیادہ بھلائیوں سے محروم رہ گئے۔نیکی کے بڑھتے چلے جانے کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک شخص مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی نیّت کرتا ہے، پس ہر قدم جو وہ مسجد کی جانب چل کر جاتا ہے اُس پر اسے اجر ملتا ہے۔جتنی مرتبہ وہ کسی بھائی سے مصافحہ کرتا ہے تو اسے اجر ملتا ہے اور اس کے گناہ جھڑتے ہیں۔اسے تحیّۃ المسجد پڑھنے کا اجر ملتا ہے۔اسے سنّت نماز ادا کرنے کا اجر ملتا ہے۔اسے باجماعت نماز ادا کرنے کا اجر ملتا ہے۔پھر اسے واپسی پر گھر کی جانب ہر قدم پر اجر ملتا ہے۔گناہ کے بڑھتے چلے جانے کی ایک

مثال یہ ہے ایک شخص شراب پی کر نشے میں مست ہو جاتا ہے۔ پھر وہ زنا کرتا ہے، کسی کی عصمت دری کرتا ہے۔ پھر وہ جا کر کسی کے قتل کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ پھر وہ نشے کی وجہ سے گاڑی کو حادثے سے دوچار کر دیتا ہے اور کسی کی موت کا باعث بن جاتا ہے۔

اب وہ مسلمان جو مکّہ میں ٹھہرے رہے انہوں نے مکّہ فتح کرنے والوں کو بہتر حال میں دیکھا۔ وہ بہت زکی النفس ہو چکے تھے۔ ان کے پاس بہت زیادہ علم تھا۔ ان کو قرآن کا بہت سا حصّہ حفظ تھا جبکہ یہ پیچھے ٹھہر جانے والوں کو صرف چند آیات ہی معلوم تھیں۔ وہ بدر، اُحد، خندق وغیرہ کی جنگوں میں شرکت کر چکے تھے۔ لہٰذا اب یہ (رکنے والے) مسلمان اپنے خاندانوں کی وجہ سے بہت پریشان ہوئے جو ان کے نہ جانے اور ٹھہرے رہنے کا باعث بنے۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُم...﴾[التغابن 14:64]

''اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور بعض بچے تمہارے دشمن ہیں پس ان سے ہوشیار رہنا...''

جو تمھیں کرّہ ارض پر قریبی ترین لوگ نظر آ رہے ہیں وہ عین ممکن ہے درحقیقت تمہارے عظیم ترین دشمن ہوں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم رکے رہو جس وقت کہ تمھیں جہاد کرنا چاہئے۔ چنانچہ یہ مسلمان اپنے گھروں کو گئے، لاٹھیاں اُٹھائیں اور اپنے بیوی بچّوں کو یہ کہہ کر مارنے لگے، 'دیکھو تم نے میرے ساتھ کیا کِیا ہے! میں تم لوگوں کی وجہ سے اتنے سارے اجر سے محروم رہ گیا ہوں' پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے باقی کی آیت نازل فرمائی:

﴿...وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَ تَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾[التغابن 14:64]

''...اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے''

اب اپنے بیوی بچّوں کو مارنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس سے کچھ تبدیل نہیں ہو جائے گا۔ اب بہت دیر ہو چکی۔ اب آپ یہی کر سکتے ہیں کہ انہیں معاف کر دو اور کام کی جانب متوجّہ ہو

جاؤ۔لہٰذا، ہمیں اپنے خاندانوں کے متعلق انتہائی محتاط رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ وہ اللہ ﷻ کی جانب ہمارے فرائض کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو سکتے ہیں، بالخصوص جہاد فی سبیل اللہ کی راہ میں۔

ج۔ **'تمہارے بھائی'**...... یہ ممکن ہے کہ وہ تمہارے لئے رکاوٹ بن جائیں، وہ تمہارے ساتھ تعاون نہ کریں، وہ تمہاری مدد نہ کریں۔ وہ تمہاری پیچھے چھوڑی ہوئی املاک کی حفاظت نہ کریں۔

د۔ **'تمہارے کنبے قبیلے'**......آج ہم اسے قوم، مادرِملت، وطن، اور قومیت پرستی کہتے ہیں؛ یہ تمام رکاوٹیں ہیں۔لوگ قوم کے مفاد کو جہاد فی سبیل اللہ کے فریضے پر فوقیت دیتے ہیں۔لوگ کہیں گے کہ وہ اپنے ملک میں امن قائم رکھنا چاہتے ہیں۔کیوں؟ کیونکہ یہ ان کے ملک کی مصلحت کے لئے ہے۔یہ کہنا غلط ہے؛ پہلے ہمیں اللہ ﷻ کے دین کی مصلحت دیکھنی ہے نہ کہ کسی قوم کی۔قومیں آتی اور جاتی ہیں؛ ہمیں اللہ ﷻ کے دین کے لئے کام کرنا ہے۔ بہت سے بھائی اور اسلامی جماعتیں قوم کو کسی مشکل یا مصیبت سے محفوظ رکھنے کے نام پر جہاد فی سبیل اللہ سے گریز کرتے ہیں۔ یہ ایک رکاوٹ ہے جو مسلمانوں اور جہاد کے درمیان حائل ہوتی ہے۔مثال کے طور پر، کسی مسلم ملک کے کچھ مسلمان یہ کہیں گے کہ انہیں جہاد اس لئے نہیں کرنا کہ پھر کفّار آ کر ان کے لئے مشکلات کھڑی کر دیں گے۔ یہ جہاد نہ کرنے کا عذر نہیں ہے۔آپ وہ کریں جو اللہ ﷻ آپ سے کرانا چاہتے ہیں اور نتائج سے بے فکر رہیں، وہ اللہ ﷻ کے ہاتھ میں ہیں۔اللہ ﷻ چاہے تو انہیں تباہ و برباد کر دے۔اللہ ﷻ چاہے تو ان کے سینے اسلام کے لئے کشادہ کر دے۔آپ کو اس بارے میں فکر نہیں کرنی۔اس کائنات کو آپ نہیں چلا رہے، اللہ ﷻ چلا رہا ہے۔اللہ ﷻ ہمیں اس کی راہ میں لڑنے کا حکم دیتا ہے۔ بہت سے مسلمان قومیت پرستی یا اپنی قوم کے پرچم تلے لڑیں گے، یہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے۔وہ سنتے ہیں کہ ان کے قرآن کی توہین کی جا رہی ہے مگر وہ کچھ نہیں کرتے۔وہ جانتے ہیں کہ مسلمان عورتوں کی عصمت دری کی جا رہی ہے اور وہ کچھ نہیں کرتے۔لیکن اگر صدر یا بادشاہ انہیں کسی مسلمان قوم کے ساتھ لڑنے کا کہے، تو وہ سب صف بند ہو کر لڑنے لگیں گے۔وہ اسلام کی خاطر نہیں لڑ رہے۔

و۔ 'تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو'...... یہ دو رکاوٹیں ہیں جو باہم متعلق ہیں۔ مال و دولت جو تم رکھتے ہو، پیسہ جو تمہارے پاس موجود ہے اور تمہارا کاروبار۔ بعض لوگ اپنی دکان، مطعم (کھانے کی دکان) یا حتّی کہ ملازمین کی وجہ سے جہاد فی سبیل اللہ نہیں کرتے اور پیچھے رکے رہتے ہیں؛ یہ رکاوٹیں ہیں۔ وہ بہن بھائی جو جہاد فی سبیل اللہ نہ کرنے کے عذر تلاش کرتے رہتے ہیں کہتے ہیں کہ ان کا معاشرے میں ایک مخصوص شعبۂ ملازمت ہے، جیسے انجینئر، ڈاکٹر یا استاد۔ خیر، اگر جہاد فی سبیل اللہ فرض عین ہے تو پھر ان باتوں سے قطع نظر (کہ آپ کا پیشہ کیا ہے) آپ کو کرنا ہے۔ بے شک ہمیں انجینئروں، ڈاکٹروں اور اساتذہ کی ضرورت ہے۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ 'میں نماز ادا نہیں کروں گا اور روزہ نہیں رکھوں گا کیونکہ میں ایک ڈاکٹر ہوں'؟ کیا کوئی ایسے کہتا ہے؟ جہاد اور نماز اور روزے میں کوئی فرق نہیں ہے؛ یہ تمام عبادات ہیں۔ جب انصار نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ وہ ان ﷺ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنے خاندانوں کی کرتے ہیں، اور جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہوئے، تو ان کے کاروبار ماند پڑ گئے۔ وہ اپنی زرعی زمینوں کی دیکھ بھال نہیں کر سکے تھے جبکہ ان زمینوں کو بہت زیادہ توجّہ درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کی آمدنی متأثر ہو رہی تھی۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے مکّہ فتح کر لیا تو انصار نے کہا، '**الحمدللہ، ہم نے ہر قدم پر رسول اللہ ﷺ کی مدد کی ہے اور اب ان کا آبائی وطن فتح ہو گیا ہے اور اب ہم واپس جا کر اپنی زرعی زمینوں کی دیکھ بھال کر سکتے ہیں۔**' اس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَ أَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾[البقرة 195:2]

''اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو، اور سلوک واحسان کرو اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''

انصار جو کرنے جا رہے تھے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے 'ہلاکت' کا نام دیا۔ وہ صرف یہی کرنے جا رہے تھے کہ واپس اپنی زرعی زمینوں پر لوٹ کر کام کریں؛ مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے ہلاکت قرار دیا حالانکہ

اب جہاد فرضِ کفایہ ہو گیا تھا۔ابو ایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی تھی،انصار کے گروہ کے بارے میں۔ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تائید فرمائی اور اسلام کو سر بلندی عطا فرمائی، ہم نے کہا (یعنی سوچا): **'چلو! اپنی جائیدادوں میں رہائش اختیار کریں اور انہیں بہتر بنائیں۔'** [سنن ابوداود: کتاب 14، نمبر 2506]

ہ۔ **'اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو'**......گھر کے لئے عربی زبان میں 'مسکن' کا لفظ ہے۔ مسکن سکینۃ سے نکلتا ہے۔ جب آپ گھر میں ہوتے ہیں تو امن اور آسودگی محسوس کرتے ہیں۔ ہم فطری طور پر اپنی رہائش گاہوں سے مانوس ہوتے ہیں، خصوصاً اپنے گھروں سے اور پھر اپنے وطن سے۔ ہم ان روزمرہ امور کے عادی ہو جاتے ہیں جو ہم اپنے گھروں میں کرتے ہیں؛ جیسے جو کھانا ہم کھاتے ہیں، جس بستر پر ہم سوتے ہیں، جس ترتیب پر چلتے ہیں وغیرہ، اور اگر کوئی چیز اس معمول میں خلل انداز ہو تو وہ آسودگی کے بجائے عدم تحفظ کا سبب بن جاتی ہے۔ مجاہد فی سبیل اللہ معمول میں تبدیلی کے عمل سے گذرتا ہے۔ اب جو کھانا وہ کھاتا ہے عموماً ویسا نہیں ہو گا جیسا وہ گھر میں کھاتا تھا۔ جس بستر پر وہ سوتا ہے ویسا آرام دہ نہیں ہو گا (جیسا گھر میں تھا۔) اس کے سونے جاگنے کے معمولات مختلف ہوں گے۔ یہ سب باتیں کسی شخص کو گھر واپس جانے اور اس کی تمنا کرنے پر مجبور کر سکتی ہیں۔ سو ایک عرب مجاہد کو، جو افغانیوں کے ساتھ شامل ہو گا، ہو سکتا ہے کھانا بہت مصالحے دار لگے۔ موسم (درجہ حرارت) اور معمولات میں تبدیلیاں ہوں گی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عرب سے باہر گئے اور آرمینیا میں جہاد کیا؛ وہ گرم موسم کے عادی تھے اور یہاں اب وہ کئی فٹ برف میں لڑ رہے تھے۔ یہ آسان بات نہیں ہے اور قربانی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حج کو جہاد فی سبیل اللہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اگرچہ حج جہاد فی سبیل اللہ کے مقابلے میں بہت آسان ہے، پھر بھی لوگوں کو اپنے معمولات میں تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔ انہیں مجاہدین کی طرح لمبے سفر کرنے پڑتے ہیں۔ آپ حج میں جو کپڑے پہنتے ہیں وہ آپ کے روزمرہ کے پہنے جانے والے کپڑے نہیں ہوتے۔ آپ کو بال اور ناخن تراشنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ یہ چیزیں فطرت کی سنتیں ہیں لیکن آپ کو انہیں کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ حج کرنے کے مالی اخراجات بھی

ہوتے ہیں۔ اگر گھر سے آپ کی انسیت اور محبت آپ کو جہاد فی سبیل اللہ سے دور رکھے ہوئے ہے، تو پھر یہ ایک رکاوٹ ہے۔ کبھی کبھار مجاہد سال یا اس سے کم و بیش عرصے کے لئے گھر سے دور رہ سکتا ہے، اس رکاوٹ کا حل صرف 'صبر' ہے۔

پھر اللہ ﷻ سورۃ التوبۃ میں مزید یہ فرماتے ہیں:

﴿... أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾[التوبة 9:24]

''اگر یہ تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ کے جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم نافذ کر دے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا''

یہاں اللہ ﷻ کے حکم سے مراد اس کا عذاب ہے۔

جب کوئی ان آٹھ رکاوٹوں پر فتح حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہ ایک عظیم فتح ہوتی ہے، اور اس نے ایک اور فتح بھی حاصل کر لی ہے: وہ فاسق نہیں ہے، کیونکہ اللہ ﷻ فرماتے ہیں کہ جو ان رکاوٹوں پر غالب نہیں آتے وہ فاسقین ہیں۔ آپ یہ فتح حاصل کر کے یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ آپ کو اللہ ﷻ، اس کے رسول ﷺ، اور جہاد فی سبیل اللہ سے عملی طور پر محبت ہے، صرف زبانی جمع خرچ نہیں۔ بہت سی اسلامی جماعتیں دعویٰ کریں گی کہ وہ آپ کو اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا ثبوت پیش کریں گی۔ وہ نظمیں پڑھیں گے، قرآن کی تلاوت کریں گے، قرآن و سنت پر گفتگو کریں گے، وغیرہ۔ لیکن اگر آپ کو واقعی (محبت کا) ثبوت پیش کرنا ہے تو پھر جائیے اور مجاہد بن جائیے؛ پھر آپ کو اس ضمن میں کچھ بول کر ثابت نہیں کرنا پڑے گا۔ آپ اپنے عمل سے ثابت کر چکے ہیں؛ ایمان اپنے اظہار کا عمل کے ذریعے تقاضا کرتا ہے۔

کامیابی کا دوسرا مفہوم: شیطان کی ناکامی

2۔ اگر کوئی مسلمان اللہ ﷻ کی راہ میں نکلتا ہے تو پھر اس نے شیطان کے مقابلے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’شیطان نے تمہیں ایمان کے راستے پر چلنے سے روکنے کی کوشش کی اور تمہیں کہا، ’کیا تم اپنے اور اپنے آباء واجداد کے دین کو چھوڑ دو گے؟‘ لیکن اس بندے نے شیطان کا کہا نہ مانا۔ پھر شیطان نے اسے ہجرت کے راستے پر چلنے سے روکنے کی کوشش کی۔ شیطان اس سے پوچھتا ہے، ’کیا تم اپنے خاندان اور مال واسباب کو چھوڑ جاؤ گے؟‘ لیکن اس بندے نے اس کا کہنا نہ مانا۔ پھر شیطان نے اسے جہاد فی سبیل اللہ کے راستے پر چلنے سے روکنے کی کوشش کی۔ شیطان اسے کہتا ہے، ’کیا تم لڑنے جاؤ گے اور مارے جاؤ گے اور تمہاری بیوی کسی اور سے بیاہ رچا لے گی؟‘ لیکن وہ اس کی بات نہیں مانتا اور جہاد کرتا ہے۔‘‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اس بندے کے لئے یہ ضمانت ہے کہ اللہ اسے جنّت میں داخل فرمائیں گے۔‘‘ [احمد: یہ حدیث حسن ہے]

کامیابی کا تیسرا مفہوم: مجاہد ہدایت یافتہ ہوتا ہے

3۔ مجاہد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول کے مصداق ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ [العنکبوت 69:29]

’’اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے، یقیناً اللہ نیکو کاروں کا ساتھی ہے‘‘

کیا یہ بھی کامیابی کی ہی ایک صورت نہیں ہے کہ آپ ہدایت یافتہ ہو جائیں؟ کیا ہم سب ہدایت کی تلاش میں نہیں ہیں؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں بتاتے ہیں کہ اگر آپ مجاہدے میں مصروف ہیں، تو آپ اس (سبحانہ وتعالیٰ) کی جانب سے ہدایت پائیں گے۔ اگر امّت جہاد فی سبیل اللہ کرتی ہے تو امّت ایک ہدایت یافتہ امّت بن جاتی ہے۔ ہماری گمراہی کی وجہ ہی یہ ہے کہ ہم جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر بیٹھے ہیں۔ لیکن جس لمحے امّت خوابِ خرگوش کے مزے لینے سے باہر نکل کر جاگے گی، اپنی ذمّہ داریوں کی ادائیگی کے لئے اُٹھ کھڑی ہوگی، اور جہاد فی سبیل اللہ کرے گی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ امّت کو ہدایت سے نوازیں گے۔

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

''جب تم سودی تجارت (عینہ) کرنے لگو گے اور گائے بیلوں کی دمیں پکڑ لو گے، اور کھیتی باڑی (کی زندگی) میں (مگن ہوکر) مطمئن ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تمہارے اوپر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جو وہ اس وقت تک نہیں ہٹائے گا جب تک تم اپنے اصل دین (حقیقی اسلام) کی طرف واپس نہ لوٹ آؤ۔'' [سنن ابوداؤد: کتاب 32، نمبر 3455]

مزید یہ کہ، ہمارے علمائے سلف کو جب کسی فتویٰ کے معاملے میں اختلافِ رائے پیش آتا تو وہ اسے اگلی صفوں میں برسرِ پیکار مجاہدین کو (حل جاننے کے لئے) بھیج دیتے؛ انہیں معلوم تھا کہ وہ (مجاہدین) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے ہدایت یافتہ ہیں۔

کامیابی کا چوتھا مفہوم: حوصلہ شکن افراد کے خلاف کامیابی

4۔ جب آپ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں جاتے ہیں، تو آپ نے ان لوگوں کے مقابلے میں فتح حاصل کر لی ہے جنہوں نے آپ کی جہاد فی سبیل اللہ کی طرف سے حوصلہ شکنی کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ آپ ہی کی زبان بولتے ہیں اور مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں لیکن وہ مجاہد بننے کے متعلق دلائل کو الجھا کر پیش کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَازَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ﴾ [التوبة 9:47]

''اگر یہ تم میں مل کر نکلتے بھی تو تمہارے لئے سوائے فساد کے اور کوئی چیز نہ بڑھاتے بلکہ تمہارے درمیان خوب گھوڑے دوڑا دیتے اور تم میں فتنے ڈالنے کی تلاش میں رہتے، اور ان کے ماننے والے خود تم میں موجود ہیں اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے''

یا لوگ آپ کو علماء/شیوخ کی شکل میں نظر آئیں گے اور آپ کو بتائیں گے کہ یہ جہاد فی سبیل اللہ کا وقت نہیں ہے، اور چونکہ وہ علماء ہیں اس لئے آپ ان کی سنیں گے بھی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿... وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُم...﴾ [التوبة 9:47]

’’...اوران کے ماننے والے خودتم میں موجود ہیں...‘‘

وہ ان لوگوں کی کیوں مانیں گے؟ان کے مقام کی وجہ سے۔ یہ اپنی برادری میں سردار ہیں یا حتیٰ کہ علماء ہیں۔ یہ مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ سے روکتے ہیں؛اور جوکوئی کسی مسلمان کو جہاد فی سبیل اللہ سے روکتا ہے وہ منافق ہے کیونکہ یہ آیت منافقین کی جانب اشارہ کررہی ہے۔وہ مسلمان جومجاہد بن گیا،اس نے ان لوگوں کی اطاعت نہیں کی؛اسے ان کے مقام سے،ان کے عمدہ طریقِ کلام سے یا ان کے فتویٰ سے کوئی غرض نہیں ہے۔ایک مجاہدوہی کرتا ہے جواللہ ﷻ نے کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ آج کے دور میں سب سے زیادہ تشویشناک فتنہ ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں،خصوصاً ہمارے نوجوان بھائیوں کے لئے۔بجائے اس کے کہ ان کے علماء انہیں جہاد فی سبیل اللہ پرآمادہ کریں،وہ ان کی حوصلہ شکنی کر رہے ہیں۔بجائے اس کے کہ ان کی اسلامی جماعتیں ان کوتیار کریں،وہ انہیں روک رہی ہیں۔ یہ آیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب انہیں یہ بتارہی ہے کہ تم میں سے چند نے اصل میں ان کا کہا مان لیا؛صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایمان کی کمی نہیں تھی لیکن انہوں نے بولنے والوں کے مقام کوملحوظِ خاطر رکھ کران کی بات مان لی۔لیکن اللہ ﷻ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کواس بات سے محفوظ رکھا کہ یہ منافقین ان کی فوج کے ہمراہ جاتے؛اگر یہ ساتھ چلے جاتے توانہوں نے فساد، جھوٹ اورفتنہ پھیلانا تھا۔اس فتنے (متوقع) کی شدت کی وجہ سے اللہ ﷻ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کوان لوگوں کے متعلق خبردار کردیا۔اللہ ﷻ فرماتے ہیں:

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَ أَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ﴾[التوبة 81:9]

’’(غزوۂ تبوک میں) پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعداپنے بیٹھے رہنے پرخوش ہیں،انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مال اوراپنی جانوں سے جہاد کرنا پسند رکھا اورانہوں نے کہہ دیااس گرمی میں مت نکلو،کہہ دیجئے کہ دوزخ کی آگ بہت ہی سخت گرم ہے

کاش کہ وہ سمجھتے ہوتے''

مجاہد اپنے نفس، اس کے شیطان، اور وہ جو اسے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلنے سے بد دل کرتے تھے......کو شکست دے چکا ہے؛ یہ ایک عظیم کامیابی ہے۔ مگر، دوبارہ، زیادہ زور 'مثبطین' (حوصلہ شکنی کرنے والوں) پر ہے۔ یہ معاشرے میں ان کے مقام کی وجہ سے ہے کہ جب وہ حوصلہ شکنی کرتے ہیں تو لوگ جہاد فی سبیل اللہ سے رک جاتے ہیں۔ ہماری نوجوان نسل کی ایک بڑی تعداد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو درست طریقے سے راضی کرنے کی خواہاں ہے، لیکن یہ شیوخ اور مسلمان مشاہیر ان نوجوانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کرنے سے روکے ہوئے ہیں۔ یہ صاحبِ جاہ ومرتبہ لوگ کس قدر گناہ اکٹھا کر رہے ہیں! جو یہ کر رہے ہیں وہ کفّار کی معاونت میں شامل ہوتا ہے؛ ان کی دعوت وتبلیغ میں کفّار ہے۔ چاہے انہیں اس کا معاوضہ ملتا ہے یا نہیں، چاہے وہ خفیہ اداروں سے ملے یا نہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر جو کام آپ کر رہے ہیں وہ کفّار کی اعانت کا باعث بن رہا ہے تو پھر آپ بھی انہیں میں سے ایک بن گئے ہیں۔

کامیابی کا پانچواں مفہوم: راہِ جہاد پر ثابت قدم رہنا

5۔ جب مجاہد استقامت کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کی منازل طے کرتا ہے اور تمام درپیش مشکلات سے گذرتا ہے تو وہ کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔ اگر وہ جہاد فی سبیل اللہ پر ثابت قدم رہنے کے قابل ہے تو پھر وہ سرخرو ہے۔ آج جہاد مسلمانوں میں ایک معمول کی بات نہیں ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اور صورتحال تھی۔ (اس وقت) جب آپ جہاد سے واپس آتے تو آپ ایک غازی رجری آدمی ہوتے۔ لوگ جہاد پر نکلنے کے لئے آپ کی حوصلہ افزائی کرتے۔ ایسے کئی واقعات ہیں جن میں والدوں نے اپنے خاندانوں سے اس بات پر بحث کی کہ ان کے بیٹوں کو اللہ کی راہ میں لازمی نکلنا چاہئے؛ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اب حالات کس قدر مختلف ہیں۔ آج بہت سے لوگ آپ کے مخالف ہوں گے: آپ کے والدین، آپ کے دوست احباب، آپ کی برادری، آپ کی مقامی مسجد، آپ کی حکومت وغیرہ۔ یہ حقیقت کہ ایک شخص صبر کے ساتھ اس عبادت کی لگاتار کئی سالوں تک انجام

دہی کرتا رہے ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔ ہم ایک دن یا مہینے بھر کی بات نہیں کررہے کہ جس میں آپ پر ایک (وقتی) جذباتی چڑھاؤ آکر اُتر جائے۔ اصل امتحان تو یہ ہے کہ واقعی اس راستے کو اپنایا جائے اور پھر اس پر استقامت کے ساتھ قائم رہا جائے۔

کئی مسلمان ایسے ہیں کہ جب وہ جہاد فی سبیل اللہ سے واپس لوٹے تو ان کے تصورات اور اصول بدل چکے تھے اور جہاد ان کے ذہن سے نکل چکا تھا۔ ان میں سے بہت سے اپنی خواہشات کے غلام ہو کر رہ گئے۔ اس قسم کے لوگ ایک مہنگی گاڑی اور ایک عالی شان گھر خریدیں گے۔ ان سے خوفزدہ مسلمان حکومتیں انہیں ملازمت، بیوی، رہائش وغیرہ کی تلاش میں مدد کرنے کی کوشش کریں گی تاکہ یہ سابقہ مجاہدین دوبارہ جہاد کرنے کی جانب مائل نہ ہو جائیں۔

جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا تو یہ خفیہ تھی۔ لہٰذا کسی کو اس کی خاص پرواہ نہ تھی۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت و تبلیغ کو اعلانیہ کرنا شروع کیا، تب دشمن عیاں ہونے لگے۔ اسلام نے انہیں اپنی خواہشات اور جھوٹے خداؤں کی عبادت چھوڑنے کا کہا۔ یہ چیز ان کے مستقل حال میں تبدیلی کا تقاضا کر رہی تھی۔ اور بعض لوگوں کے لئے صورتحال کا بدستور ایک جیسا ہی رہنا (تبدیلی کے بغیر) فائدہ مند ہوتا ہے، لہٰذا وہ اسلام سے برسرِ پیکار ہوتے ہیں۔ سیاسی، اقتصادی، اور دینی قیادت صورتحال کے بدستور ایک جیسا رہنے سے مستفید ہوتی ہے۔ پس جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے خطرہ محسوس کیا تو وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کچھ پیشکشیں کیں۔ انہوں نے خود آپ ﷺ کے پاس جا کر طاقت، دولت اور عورتوں کی پیشکش کی ؛ یہ وہ چیزیں ہیں جو اکثر مردوں کو چاہیئے ہوتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان پیشکشوں پر کچھ کہنے تک سے بھی دریغ کیا۔ اس میں اہم نقطہ یہ ہے کہ جو کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنا چاہتا ہے اسے ان میں سے بہت سی چیزوں کا سامنا کرنا پڑے گا جن کا سامنا آپ (ﷺ) نے کیا۔ جب آپ اس راستے پر گامزن ہوں تو پھر پیشکشوں کی آمد کی بھی توقع رکھیں۔ وہ آپ کو قید کر کے آپ کے راستے میں یکدم رکاوٹ کھڑی کرنا چاہیں گے۔ کچھ لوگ ایسے تھے جو دنیا سے مغلوب ہو گئے اور کچھ لوگ ایسے تھے جو میدانِ جنگ میں

مغلوب ہوئے۔لیکن ان مجاہدین نے اپنے اصولوں پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔

کامیابی کا چھٹا مفہوم: اپنے جان و مال کی قربانی دینا

6۔اگر آپ نے یہ راستہ اپنالیا تو آپ کامیاب ہوگئے، کیونکہ آپ اپنا تن من دھن اور وقت اللہ ﷻ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔اس دین کے لئے قربانی دینا کامیابی ہے۔

جب آپ وسائل، اسلحہ جات، اور تعداد میں کمزور ہوں اور ایک ایسے دشمن کے خلاف کھڑے ہوجائیں جو ان تمام جہتوں میں آپ سے زیادہ طاقتور ہو اور اس کی طاقت کی وجہ سے شکست یقینی نظر آرہی ہو، تو پھر یا حقیقت کہ ان تمام باتوں کے باوجود آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور لڑائی کی بذاتِ خود فتح کی علامت ہے۔یہ ایک ایسی چیز ہے جو دیکھنے والے کو بآسانی متأثر کردیتی ہے۔یہ ان کی شجاعت اور اس قربانی، جو وہ دینے جارہے ہیں، پر یقین کی علامت اور ثبوت ہے۔آج ہم یہ عراق میں دیکھتے ہیں۔ایک مٹھی بھر مسلمان اُٹھ کھڑے ہو کر اللہ ﷻ کی راہ میں ایک ایسی فوج کے خلاف لڑنے کے لئے تیار ہیں جو ٹیکنالوجی، تربیت، اسلحہ جات، اور تعداد وغیرہ میں ان سے بدرجہا بہتر ہے۔یہ فی نفسہٖ ایک کامیابی ہے۔تاریخ ان لوگوں کو یاد نہیں رکھتی جو خود کو موت سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔

مسلمانوں میں وہ اندرونی گروہ جنہیں آپ نے (جہاد میں شمولیت کے ذریعے) شکست دی ہے وہ ہیں جنہوں نے جہاد فی سبیل اللہ نہ کرنے کے عذر تلاش کر رکھے ہیں۔دوسرا گروہ جسے آپ نے شکست دی ہے وہ کفّار ہیں، چونکہ وہ جہاد فی سبیل اللہ سے نفرت کرتے ہیں۔صبر ہی وہ چیز ہے جس نے مجاہد کو اس راہ پر رواں دواں رکھا۔مجاہدین جو دعا کرتے وہ یہ تھی:

﴿وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾[البقرة 2:250]

''جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار ہمیں صبر دے ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما''

خبیب رضی اللہ عنہ کفّار کے ہاتھوں پکڑے گئے اور انہیں مکّہ لے جایا گیا؛ کفّار نے انہیں سولی چڑھا دیا۔ جس وقت انہیں صلیب پر باندھا گیا اور دشمنوں نے ان پر اسلحہ تان رکھا تھا تو انہوں نے ان سے پوچھا: '**کیا تم چاہتے ہو کہ یہاں تمہارے بجائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہو؟**' خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '**میں مرجانا پسند کروں گا بجائے اس کے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کوئی کانٹا بھی چبھے، اور میں اپنی جان دے دوں گا اور موت کو گلے لگا لوں گا تا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو موت سے نہیں بلکہ ایک کانٹے کی تکلیف سے بھی بچا لوں**۔' یہ ہے اصل کامیابی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان کتنا مضبوط تھا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کتنی مضبوط تھی۔ مجاہدین کہتے ہیں کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں اور اس مقصد کے لئے اپنی جان دینے کے لئے بھی تیار ہیں۔ لیکن وہ جو مجاہدین نہیں ہیں وہ گھومتے اور ناچتے، اور اپنے ایئر کنڈیشن لگے گھروں کی راحت میں بیٹھے انواع واقسام کے کھانوں اور جشن کے سماں میں دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں۔

آپ یہ کہنے کی جرأت ہی کیسے کرتے ہیں کہ آپ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین سے محبت ہے جبکہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ دشمن نے کتاب اللہ کے تقدس کو پامال کیا اور آپ کچھ نہیں کر رہے؟ جب آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کو بیت الخلا میں (جائے رفعِ حاجت میں) پانی میں بہا دیا اور آپ نے اپنے ہتھیار تک نہیں اٹھائے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں لڑیں؟ جب آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سوز خاکے بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی؟ جب آپ جانتے ہیں کہ وہ مسلمان جنگی قیدیوں کو جسمانی اور ذہنی اذیتیں دے رہے ہیں؟ جب آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے مسلمان جنگی قیدیوں کو برہنہ کر کے ان کی گھناؤنی تصاویر بنا کر امّت کو شرمندہ وذلیل کیا؟ جب آپ جانتے ہیں کہ وہ اصل اسلام کے اوپر اسلام کی ایک مسخ شدہ شکل کا پرچار کر رہے ہیں؟ جب آپ یہ جانتے ہیں کہ وہ عراق، فلسطین، اور افغانستان میں بے گناہ عوام کا قتلِ عام کر رہے ہیں؟ جب آپ جانتے ہیں کہ وہ دنیا کے کئی حصوں میں مجاہدین سے لڑ رہے ہیں؟ جب آپ یہ جانتے ہیں کہ انہوں نے بہت سے مسلمان

علاقوں پر چڑھائی کر رکھی ہے؟ جب آپ یہ جانتے ہیں کہ انہوں نے قرآنی اوراق کو بطور ٹائلٹ پیپر استعمال کیا؟ جب آپ یہ جانتے ہیں کہ ان کی فوج کے جرنیل نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف واضح، صریح، اور بلا مغالطہ بیانات دیے؟ تو پھر کس طرح آپ اسلام سے اپنی محبت کا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ جب آپ جانتے ہیں کہ وہ یہ سب کر رہے ہیں اور آپ اس کے متعلق کچھ بھی نہیں کر رہے؟ کیا آپ کو اپنے گھر پر کسی بم کے گرنے کی ضرورت ہے تا کہ پھر آپ کو اُٹھ کھڑے ہو کر لڑنے کا جواز میسر آ جائے؟ تب تک بہت دیر ہو چکی ہو گی۔ اس (جذبے کے وجود) کا جذباتی طور پر عدم متوازن ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کا مکمل تعلق ان چیزوں پر سچا ایمان ہونے کا ہے جن پر ایمان کا آپ دعویٰ کرتے ہیں: اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئی قتل کیے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان لوگوں کے خلاف حکم کے تحت تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ زبان استعمال کی [جیسے کعب بن اشرف جو ایک مشہور شاعر تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہرزہ سرائی کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا جو کامیابی سے سرانجام دے دیا گیا۔]۔ کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 'جذباتی طور پر پریشان' تھے اور انہوں نے حکمت سے کام نہیں لیا؟ کوئی عاقل اور باعمل مسلمان ایسی کوئی بات کہنے کی جرأت تک نہیں کر سکتا۔ تو پھر آج کے دور کے بارے میں کیا کہنے ہیں کہ جب کوئی کافر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کرتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ ہمیں اس سے پر امن گفت وشنید کرنی چاہیے۔ ہم کس قدر اسلام کی تعلیمات سے بھٹک گئے ہیں اور ان تعلیمات کی جگہ اپنی بے کار منطق لے آئے ہیں؟ کچھ مسلمان یہ حجّت پیش کرتے ہیں کہ ہمیں ایسے قتل کی کوشش کرنے کے لئے خلافت کے وجود کی ضرورت ہے۔ یہ تصور مکمل طور پر بے بنیاد ہے اور ہماری بزدلی کو عیاں کرتا ہے۔

اس وقت ہم ایسے واقعات سے گذر رہے ہیں جو ہمیں حق کو باطل سے نمایاں کر کے دکھا رہے ہیں۔ اس سے قبل حالات بہت دھندلے تھے: آپ کو علم نہیں ہوتا کہ سچا مؤمن کون ہے اور منافق کون۔ لیکن یہ ایسے ہی واقعات ہوتے ہیں جو سچے ایمان کو نفاق سے ممیّز کرتے ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے

ہیں کہ نفاق کا تصور مدینہ میں ظہور پذیر ہوا اور یہ مکّہ میں کبھی ظاہر نہیں ہوا۔ کیوں؟ کیونکہ مدینہ میں جہاد ہو رہا تھا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ﴾[التوبة 9:126]

''اور کیا ان کو نہیں دکھلائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں پھر بھی نہ توبہ کرتے اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں''

یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کو یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ ہر سال ایک یا دو ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جو ان کی حقیقت عیاں کر دیتے ہیں۔ یہ واقعات کیا ہیں؟ رسول اللہ ﷺ کے غزوات۔ ایمان بھی کھل کر سامنے آ گیا اور نفاق بھی کھل کر سامنے آ گیا۔

اصحابِ اخدود (خندق) کا ایک واقعہ ہے جو صحیح بخاری میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ کامیابی کے تصور کو واضح کرنے کے لئے ایک شاندار واقعہ ہے۔ ایک گروہ تھا جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان رکھتا تھا اور بادشاہِ وقت کی مخالفت کا شکار تھا۔ بادشاہ نے انہیں کہا کہ یا تو اپنا دین چھوڑ دو اور جان بچا لو یا پھر دین پر قائم رہو اور جان دے دو۔ انہوں نے جان دینا اختیار کیا؛ ان کو مارنے کا انتہائی بھیانک طریقہ اختیار کیا گیا۔ انہوں نے جو کیا ہمیں اس کی قدر کرنی چاہئے۔ انہیں کہا گیا کہ جلتی لکڑی سے بھری خندقوں میں کود جائیں۔ وہ ایک کے بعد ایک کودتے گئے اور جل کر جان دیتے گئے۔ انہوں نے آخرت کی آگ کے بجائے اس دنیا کی آگ چن لی۔ ان میں ایک نومولود بچّے کے ساتھ ماں بھی تھی جسے آگ میں کودنے کے لئے کہا گیا تھا۔ جب وہ خندق کے نزدیک پہنچی تو تھوڑا سا ہچکچائی، سو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس نومولود بچّے کو گویائی عطا فرما دی اور وہ ماں سے کہنے لگا: '**اے ماں، تم حق کا اتباع کر رہی ہو! پس تم ثابت قدم رہو!**' اس کے بعد وہ بھی خندق میں کود گئی اور جان دے دی۔ اس عورت نے پہلا قدم اٹھایا، اور وہ یہ تھا کہ وہ خندق کی جانب بڑھی تھی۔ لیکن پھر جب وہ ہچکچائی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کی مدد فرمائی۔ پس اگر آپ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب ایک قدم بڑھاتے ہیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کی جانب کئی قدم بڑھتے ہیں۔ اگر آپ چل کر

اللہ ﷻ کی جانب جائیں گے تو اللہ ﷻ دوڑ کر آپ کی جانب آئیں گے۔اس واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ پہلا قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔پھر اگر آپ اس راستے میں کمزور پڑ جائیں گے تو اللہ ﷻ آپ کی مدد فرمائیں گے، بشرطیکہ اگر شروع سے ہی آپ میں اخلاص موجود تھا تو۔پس اللہ ﷻ نے اس عورت کو ایک کرامت سے نوازا تا کہ بچّے کے بولنے کے ذریعے اسے حقیقی کامیابی اور نجات عطا فرمادی جائے۔دنیاوی اور لادینی نقطہ نظر سے وہ سب ناکام ہوگئے۔وہ سب قتل ہوگئے اور بادشاہ اس دین کو ختم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔چہ جائیکہ،اللہ ﷻ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

﴿...ذَلِکَ الْفَوْزُ الْکَبِیرُ﴾[البروج 11:85]

”...یہی بڑی کامیابی ہے“

کامیابی کا ساتواں مفہوم: آپ کی سوچ رتصوّر کی کامیابی

7۔کامیابی کی ساتویں قسم آپ کے تصور رسوچ کی کامیابی ہے۔افکار کی دنیا میں آپ کی سوچ برتر ہے۔آپ کے اصول اور تصورات آخر کار غلبہ حاصل کریں گے۔کبھی کبھار، یہ واقعی سرخرو ہوجاتے ہیں جب آپ اپنے خون سے ان کی قیمت ادا کرتے ہیں۔ابراہیم علیہ السلام اپنے ہی لوگوں کے خلاف دلائل کی بنیاد پر اپنے تصور میں جیت گئے؛ وہ کامیاب رہے۔اللہ ﷻ فرماتے ہیں:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْکَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾[البقرة 258:2]

”کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو سلطنت پا کر ابراہیم (علیہ السلام) سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا، جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے، وہ کہنے لگا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے اور تو اسے مغرب کی جانب سے لے آ اب تو وہ کافر بھونچکا رہ گیا، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو

ہدایت نہیں دیتا‘‘

اس لڑکے کی کہانی میں، جو خندق والے واقعے کی بنیاد بنا، بادشاہ نے اسے پہاڑ سے گرا کر قتل کرنا چاہا مگر ناکام ہوا۔ پھر اسے سمندر میں ڈبو کر قتل کرنا چاہا اور پھر ناکام ہوا۔ پھر وہ نوجوان خود بادشاہ کے پاس آیا اور اسے کہا: **’اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو پھر میرے تیروں میں سے ایک تیر لو اور بسم اللہ کہو پھر مجھے مارو، تو تم مجھے قتل کرلو گے؛ لیکن تمہیں یہ کام اللہ کا نام لے کر کرنا ہوگا‘**۔ اس نوجوان نے یہ شرط بھی عائد کی کہ بادشاہ کو یہ سب کے سامنے کرنا ہوگا۔ پس سب نے بادشاہ کو اللہ کا نام لے کر اس نوجوان کو قتل کرنے میں کامیاب ہوتے دیکھا، پھر کیا ہوا؟ وہ سب مسلمان ہو گئے۔ اور یہی تو وہ نوجوان چاہتا تھا اور اسی بات سے وہ بادشاہ بچنا چاہ رہا تھا۔ بادشاہ اس نوجوان کو اس کے عقیدے کی وجہ سے ختم کرنا چاہتا تھا اور اب اس کی وجہ سے سبھی مسلمان ہو گئے۔ وہ اس نوجوان کی دعوت وتبلیغ کی وجہ سے خوفزدہ تھا؛ اور اب اس کی تبلیغ ساری بادشاہت میں پھیل گئی۔ پس اس نوجوان نے اپنی دعوت وتبلیغ کی قیمت ادا کر دی جو کہ اس کے اپنے خون کی صورت میں تھی۔ ہمارے جدید دور میں ہم سید قطب رحمہ اللہ جیسے لوگ دیکھتے ہیں۔ انہوں نے سیاہی اور اپنے خون سے لکھا۔ شیخ عبداللہ عظام اور شیخ یوسف العییری رحمہما اللہ جیسے لوگ۔ انہوں نے شاندار کتابیں لکھیں، اور ان کی وفات کے بعد ایسے لگتا ہے جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی روح ان کے الفاظ میں ڈال کر اِن (الفاظ) کو زندہ کر دیا؛ اس سے ان کے الفاظ کو ایک نئی زندگی مل گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الطّائفۃ (المنصورہ) قائم رہے گا۔ یہاں قائم رہنے سے مراد ان کی دعوت وتبلیغ ہے نہ کہ ان کی جنگیں۔ وہ جنگ تو ہار سکتے ہیں مگر ان کی دعوت وتبلیغ کامیابی حاصل کرے گی اور موجود رہے گی۔ کوئی ان کی دعوت وتبلیغ کو نہیں روک سکتا۔ مرکزی نقطہ (تصور) یہ ہے کہ یہ کام اس گروہ کو نسل در نسل مضبوط رکھے گا۔

کامیابی کا آٹھواں مفہوم: دشمن کی تباہی بذریعۂ کرامات

8۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مجاہدین کے دشمنوں کو معجزاتی یا مافوق الفطرت طور پر تباہ و برباد کر دیں گے؛ یہ

اس لئے کہ مجاہدین نے اپنی بساط کے مطابق بہترین کوشش کی۔لیکن، چونکہ مجاہدین اوران کے دشمنوں کی طاقت میں زبردست فرق ہے،اللہ ﷻ مجاہدین کی معجزے کے ذریعے مددفرمائیں گے۔یہ تب ہوتا ہے جب مجاہدین اپنے طور پر تیاری،تربیت اورلڑائی کی بہترین کوشش کرتے ہیں۔چونکہ وہ اللہ ﷻ کے احکام کی تعمیل کے لئے اپنے تئیں ممکن ترین کوشش کر چکے ہوتے ہیں،اللہ ﷻ ان کے دشمنوں کی تباہی کے ذریعے ان کی مددفرماتے ہیں۔اللہ ﷻ فرماتے ہیں:

﴿... كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾[البقرة 249:2]

”...بسا اوقات چھوٹی اورتھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پا لیتی ہیں،اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے“

لیکن انہیں صبر سے کام لینا ہوتا ہے۔

اور پھر موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان تنازع کو دیکھ لیں۔موسیٰ علیہ السلام جو کر سکتے تھے انہوں نے کیا سو اللہ ﷻ نے ایک معجزے کے ذریعے فرعون کو برباد کر دیا۔

جب رسول اللہ ﷺ قریش کے خلاف جہاد لڑ رہے تھے اور آپ ﷺ نے حق کو ماننے کے خلاف قریش کی ڈھٹائی دیکھی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے خلاف اللہ ﷻ سے دعا کی کہ انہیں سات برس کے لئے قحط اور فاقے میں مبتلا کر دے جیسے یوسف علیہ السلام کے لوگوں کو مبتلا کیا تھا۔عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: **’پس وہ قحط میں مبتلا ہوئے جس نے انہیں ایسی بھوک سے دوچار کیا کہ وہ ہر چیز بشمول مردہ جانور، چمڑہ، یا کوئی بھی چیز جو ان کے ہاتھ لگ جاتی کھانے لگے۔‘** جب وہ آسمان کی جانب دیکھتے تو انہیں دھواں سا نظر آتا؛ بھوک کے مارے وہ چکرائے ہوئے رہتے۔لہٰذا ابوسفیان محمد ﷺ کے پاس آئے اور کہا: **’اے محمد (ﷺ)!تم لوگوں کو اچھائی کی ترغیب دیتے ہو اور انہیں اپنے اہل وعیال کے ساتھ نرمی کرنے کی حوصلہ افزائی کرتے ہو۔پس اللہ سے دعا کرو کہ ہمیں بچالے۔‘** اب وہ محمد ﷺ سے اپنے لئے دعا کی درخواست کر رہے ہیں۔اللہ ﷻ فرماتے ہیں:

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ﴾[الدخان 44:10]

''آپ اس دن کے منتظر رہیں جب کہ آسمان ظاہر دھواں لائے گا''

یہ لوگ فریب خیالی/وہمی پن کا شکار ہو گئے تھے۔ جب کوئی شخص شدید بھوکا ہوتا ہے تو اس کے حواس متاثر ہوتے ہیں۔ سماعت اور بصارت کمزور پڑ جاتی ہے۔

سوویت یونین کا خاتمہ دورِ جدید میں اس امر کی ایک قوی مثال ہے۔ مجاہدین کے پاس تعداد، قوت، اسلحہ جات، اور صلاحیت سوویتیوں سے کم تھی۔ لیکن چونکہ سوویتی اللہ ﷻ، اس کے رسول ﷺ، اور مؤمنوں کے دشمن تھے، تو اللہ ﷻ نے بشمول غربت، تباہی، اور بدعنوانی اور بھی بہت سے عذابِ الٰہی کے طریقوں سے انہیں سزا دی، حتیٰ کہ سوویت یونین کا سقوط اس کا انجام ہوا۔ مجاہدین کے جہاد کی وجہ سے یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا؛ اللہ ﷻ نے ان کی مدد کی۔ بعض لوگ یہ حجّت پیش کرتے ہیں کہ سوویت یونین کا زوال اس وجہ سے ہوا کہ یہ کمیونسٹ تھے۔ اس دلیل کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ اور بھی کئی کمیونسٹ ممالک تھے مگر ان کا ایسا زوال نہیں ہوا۔ کچھ جرح کریں گے کہ ایسا ان کے قرضوں کی وجہ سے ہوا۔ خیر، اس وقت امریکہ اس سے بھی زیادہ مقروض تھا۔ سوویت یونین کے زوال کی واحد وضاحت کوئی صرف یہی دے سکتا ہے کہ یہ مجاہدین فی سبیل اللہ کی وجہ سے ہوا۔ ہم آج یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی بھی قوم، چاہے کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو، اگر اللہ ﷻ کے اولیاء کے خلاف لڑنے کا فیصلہ کر لے تو پھر اسے اپنے خاتمے کی یقین دہانی ہو جانی چاہیئے، چاہے یہ خاتمہ مجاہدین کے اپنے ہاتھوں پر ہو یا پھر مجاہدین سے لڑنے کے نتیجے میں ہو۔ کیونکہ ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

''جو کوئی اللہ کے اولیاء (دوستوں) سے دشمنی رکھے گا، تو پھر اللہ اس کے خلاف جنگ کرے گا۔'' [حدیث قدسی ۲۵: البخاری]

کامیابی کا نواں مفہوم: کفّار کے لئے غربت و افلاس

9۔ کامیابی کی ایک شکل یہ ہے کہ جہاد کفّار کے لئے غربت اور ان کی کفر پر موت کا باعث

بن جائے گا؛ یہ انہیں ہدایت سے محروم رکھے گا۔ یہ کامیابی کی ایک صورت ہے۔ پس اللہ ﷻ اور اس کے مجاہدین سے لڑنے کی وجہ سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ کفّار اپنے کفر میں شدید تر اور مزید گھرے ہو جائیں گے حتی کہ وہ کافر ہی مر جائیں گے۔ جب وہ مجاہدین کو لڑتے اور کامیاب ہوتا دیکھتے ہیں تو وہ اور غضبناک ہوتے ہیں اور یہ چیز ان میں لڑنے کی خواہش کو مزید ابھارتی ہے اور وہ کفر پر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اللہ ﷻ سورۃ یونس میں فرماتے ہیں:

﴿وَقَالَ مُوسَى رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا...﴾[يونس 88:10]

''اور موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان زینت اور طرح طرح کے مال دنیاوی زندگی میں دیئے...''

یہاں سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ مال و دولت آپ کے اللہ ﷻ سے قرب کی علامت نہیں ہے۔ ایسے کئی انبیاء گذرے جو انتہائی غریب تھے اور کئی ایسے کفّار ہیں جو بے پناہ دولتمند ہیں۔ بدقسمتی سے مسلمان دولتمند بننے کو اس بات کا پیمانہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ ﷻ سے کتنے قریب ہیں (یعنی جو جتنا امیر ہے وہ اللہ ﷻ کا اتنا مقرب ہے اور اللہ ﷻ کا اس پر اتنا فضل و کرم ہے!)۔ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ 'الحمد للہ! اللہ نے مجھے یہ سب مال و دولت دے رکھا ہے؛ یہ اس بات کی علامت ہے کہ میں ایک اچھا مسلمان ہوں!' یا کوئی غریب جو یہ کہے کہ 'میں ضرور بہت گناہگار ہوں جس کی وجہ سے میں اتنا غریب ہوں'۔ آپ کتنے اچھے مسلمان ہیں یا نہیں، مال و دولت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مال و دولت ایک ایسی چیز ہے جو آپ کو کسی خیر کی طرف بھی لے جا سکتی اور کسی شر کی طرف بھی، اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آپ اسے کس طرح استعمال کرتے ہیں۔ پھر (اس آیت کے مطابق) موسیٰ علیہ السلام مزید فرماتے ہیں:

﴿... رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ ...﴾[يونس 88:10]

''...اے ہمارے رب! (اسی واسطے دیئے ہیں کہ) وہ تیری راہ سے (لوگوں کو) گمراہ کریں...''

بالفاظِ دیگر موسیٰ علیہ السلام یہ فرما رہے ہیں کہ وہ (فرعون اور اس کے سردار) اس مال و دولت اور طاقت کو استعمال کر کے لوگوں گمراہ کریں۔ پس ان علیہ السلام کی دعا:

﴿... رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾ [یونس 10:88]

''...اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں''

موسیٰ علیہ السلام ان کی ہدایت کی دعا نہیں فرما رہے؛ وہ ان کی گمراہی کی دعا فرما رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ '**اے اللہ! یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں**'، موسیٰ علیہ السلام فرعون کے کفر سے سخت پریشان تھے؛ اب وہ فرعون کے لئے ایمان لانے کا موقع نہیں چاہتے تھے۔ فرعون نے اسلام کا دعویٰ کیا، مگر وہ رد کر دیا گیا کیونکہ اس وقت اس کی روح اس کے جسم سے الگ ہو رہی تھی؛ پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا من و عن قبول فرمائی۔ جب فرعون نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عذاب دیکھا تو اس نے کہا: '**اے اللہ! میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں**' لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بتایا کہ جب فرعون مر رہا تھا تو وہ (جبرئیل علیہ السلام) اس کے منہ میں مٹی بھر رہے تھے تاکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو فرعون پر رحم نہ آ جائے۔ جبرئیل علیہ السلام بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ فرعون مسلمان ہو! وہ علیہ السلام چاہتے تھے کہ وہ کافر ہی مرے؛ وہ علیہ السلام اسے جنّت کے قابل نہیں سمجھتے تھے۔

یہ ایک کامیابی ہے کیونکہ مؤمن جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عذاب کافروں پر نازل ہوتا دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں۔ آخر میں مؤمن ہی مسکرانے والے ہوں گے اور فرعون جیسے لوگ دکھ دینے والے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

لہٰذا کفر، ظلم و جبر، شر اور کفّار کے دعوے کہ وہ 'آزادی' اور 'تہذیب' کا دفاع کر رہے ہیں اور 'دہشت گردی' سے لڑ رہے ہیں؛ یہ سب ان کی موت کے ساتھ اختتام پذیر ہو جائے گا، جو کہ بہت

قریب ہے۔ان کی زندگیوں کا جو حصّہ باقی بچا ہے وہ اس سے کم ہے جو پہلے گذر چکا ہے۔وہ دن آئے گا جب مؤمن جنّت میں ہوں گے اور کافروں کو جہنّم کا سخت عذاب جھیلتے دیکھ رہے ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہود کے خلاف جہاد ان کے کفر پر مرنے اور تا دمِ مرگ کفر پر اصرار کرنے کا سبب بنا۔

کامیابی کا دسواں مفہوم: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شہداء قبول فرمانا

10۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ میں سے شہداء منتخب فرمائیں گے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿...وَ تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾[آل عمران140:3]

''...ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔(شکست اُحد) اس لئے تھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہر کر دے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم میں سے شہداء لیتے ہیں، بالفاظِ دیگر، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم میں سے منتخب فرماتے ہیں کہ کون شہید ہوگا۔یہ ایک کامیابی ہے۔شہادت وہ چیز ہے جس کی ہر مجاہد تمنّا کرتا ہے۔جب کفّار آپ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں جان دیتے دیکھتے ہیں تو وہ اسے اپنی کامیابی سمجھتے ہیں جبکہ درحقیقت یہ آپ کی کامیابی ہے۔کفّار نے آپ کو جنّت کا مفت ٹکٹ دے دیا ہے۔ان کی بدحالی کا اندازہ لگائیں جب وہ روزِ حساب آپ کو دیکھیں گے۔وہ کہیں گے 'ہمارے دشمنوں کو دیکھو! ہم نے انہیں جنّت کی کنجی دے دی!'

رسول اللہ ﷺ خود بھی شہادت کی موت کے متمنی تھے اور تین مرتبہ فرمایا:

''میری تمنا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں اور پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کر دیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کر دیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں۔''[بخاری و مسلم]

آپ ﷺ نے تین مرتبہ شہادت پانے کی خواہش ظاہر کی۔اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾[آل عمران3:169]

''جولوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزیاں دیئے جاتے ہیں''

پس جب کفّار آپ کوقتل کرتے ہیں،تو وہ آپ کو ایک ابدی حیات دے رہے ہوتے ہیں۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ﴾[البقرة 2:154]

''اوراللہ تعالیٰ کی راہ کے شہیدوں کومردہ مت کہو،وہ زندہ ہیں،لیکن تم نہیں سمجھتے''۔

بخاری اور مسلم میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے جوانس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک قبیلے کی جانب روانہ کیا تا کہ ان کو اسلام کے متعلق آگاہ کریں۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ماموں حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ بات چیت کررہے تھے کہ ان پر پیچھے سے برچھی کا وار کیا گیا۔برچھی ان کے سینے سے باہر نکل آئی۔انہوں نے اپنے ہاتھ خون میں تر کیے اور وہ خون اپنے ہاتھوں اور چہرے پر مل لیا اور فرمایا:'میں ربِّ کعبہ کے نام پر کامیاب ہو گیا!'جس شخص نے ان پر وار کیا تھا اس کو سمجھ نہ آسکی کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے۔وہ الفاظ سے اتنا حیرت زدہ ہوا کہ وہ مسلمانوں سے دریافت کرنے لگا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔انہوں نے اسے بتایا:'یہ شہادت ہے!'اب وہ جنّت میں ہیں اور وہاں کے مزے لے رہے ہیں۔لیکن اگر ایسا کوئی معاملہ کسی ایسے شخص کے ساتھ پیش آجائے جسے اسلام سے کوئی سروکار نہ ہوتو وہ رونا دھونا اور چیخنا چلّانا شروع کر دیں گے اور لوگوں کو ہسپتال وغیرہ لے جانے کے لئے کہنے لگیں گے۔ان کوقتل کرنے والا شخص واقعے کی وضاحت سننے کے بعد مسلمان ہو گیا۔سبحان اللہ!حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ اپنے قاتل کے مسلمان ہونے کا سبب بن گئے۔

شہادت (آپریشن) دھماکوں کے ضمن میں جب آپ ایک ایسے مسلمان کو دیکھتے ہیں جس کو دنیاوی ترقی اور کامیابی کے امکانات میسر ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود وہ شہادت کا متلاشی ہوتا ہے تو پھر یہ امر کفّار کے اس بارے میں نظریات (جیسے خودکشی، غربت، جبر واستبداد) کو قطعی ناکارہ بنا دیتا ہے اور انہیں اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ اس بات کی اصل وجوہات کو جاننے کی کوشش کریں کہ کوئی کیوں اپنی جان دینا چاہتا ہے۔

کامیابی کا گیارھواں مفہوم: میدانِ جنگ میں کامیابی

11۔آخری کامیابی میدانِ جنگ میں کامیابی ہے۔ یہ وہ کامیابی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے آخر میں حاصل کی۔ جب ان کا وصال ہوا، تو اس وقت وہ اپنی کوششوں کے ثمرات اور مقصد کے نتائج دیکھ چکے تھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا۝﴾[النصر 110:1-3]

''جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے ۝ اور تو لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق آتا دیکھ لے ۝ تو اپنے رب کی تسبیح کرنے لگ حمد کے ساتھ اور اس سے مغفرت کی دعا مانگ، بیشک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے ۝''

کامیابی کی گیارہ سے زیادہ صورتیں ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿...وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾[الروم 30:47]

''ہم پر مؤمنوں کی مدد کرنا لازم ہے''

پس ایسی کئی اور صورتیں ممکن ہیں جن کے ذریعے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی تائید ونصرت فراہم کردیں۔

کچھ لوگ کہیں گے کہ 'اللہ کے بعض انبیاء کیونکر قتل کر دیے گئے؟ وہ کامیابی حاصل نہیں کر سکے؟' خیر، اب جبکہ ہم کامیابی کی گیارہ مختلف صورتوں کو دیکھ چکے ہیں، تو ہم واضح طور پر دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں کہ انہوں نے کامیابی بہرحال حاصل کی۔ اسی بات کا اطلاق ان پیغمبروں پر بھی ہوتا ہے جن کے

کوئی پیروکار نہ تھے؛ وہ بھی کامیاب ہی تھے۔ مسلمان جو ثابت قدم ہو ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے اور کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ ہر مسلمان کو ثابت قدمی کی ضرورت ہوتی ہے۔

بے شک، بالآخر یہ امّت میدانِ جنگ میں کامیابی حاصل کرے گی اور ساری دنیا کی حکومت پر تسلط حاصل کرلے گی۔ اس کے متعلق کئی احادیث ہیں۔ مثال کے طور پر، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یہ معاملہ (اسلام) وہاں تک پہنچے گا جہاں تک دن اور رات پہنچتے ہیں۔''

(مسند احمد عن تمیم الداری رضی اللہ عنہ)

اس سے مراد سارا کرّہ ارض ہے۔ دن اور رات پوری دنیا کے ہر حصّے میں پہنچتے ہیں۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''اسلام ہر گھر میں پہنچے گا؛ شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں۔''

یہ دونوں احادیث اسلام کی دعوت و تبلیغ کی جانب بھی اشارہ کرتی ہیں؛ یہ ہر جگہ پہنچے گی۔ انہوں ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے ساری زمین دکھائی اور مجھے بتایا کہ میری امت کی حدود مملکت اس کی ہر جگہ پہنچیں گی۔'' [صحیح مسلم ۲۸۸۹، ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے]

یہ حدیث خلافتِ اسلامیہ کی جانب اشارہ کر رہی ہے؛ یہ ہر جگہ پہنچے گی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: '**کونسا شہر پہلے فتح ہوگا: قسطنطنیہ یا روم؟**' انہوں ﷺ نے فرمایا: '**قسطنطنیہ پہلے فتح ہوگا**۔' اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دوسرا بعد ازاں فتح ہوگا (یعنی دونوں ہی فتح ہوں گے۔) امام مہدی کے متعلق احادیث خصوصی طور پر میدانِ جنگ کی فتوحات کا تذکرہ کرتی ہیں۔ صرف اسی موضوع پر بے شمار احادیث ہیں۔ وہ (امام مہدی) دنیا پر سات برس حکومت کریں گے۔

آخر کار، یہ امّت کامیاب ہوگی۔ مزید برآں، ہمیں صرف ان احادیث پر ہی انحصار کرتے ہوئے یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے دین کو سربلند کرنا ہی ہے لہٰذا ہمارا کچھ بھی نہ کرنا معقول اور جائز ہے۔ نہیں، بلکہ آپ کو اس میں حصّہ لینا چاہیئے! اس بات کی کیا منطق ہے کہ امّت سرخرو ہو رہی

ہے اور آپ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں، کچھ نہیں کر رہے، لہٰذا کوئی اجر بھی حاصل نہیں کر رہے۔ پس ہم سب کو اسلام کو اس کی سر بلندی واپس دلانے میں اپنا اپنا کردار ادا کرنا چاہیئے؛ بہت سارا اجر تقسیم ہو گا اور ہمیں اس میں سے حصّہ لینا چاہیئے۔

خلاصہ

ایک خلاصے کے طور پر، مصنف مندرجہ ذیل گیارہ اقسام کی کامیابی کا تذکرہ کرتا ہے:

1۔سورۃ التوبۃ میں بیان کردہ آٹھ رکاوٹوں کے خلاف کامیابی۔

2۔شیطان کے مقابلے میں کامیابی۔

3۔اس آیت میں شمار ہونا:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾[العنکبوت 69:29]

''اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے، یقیناً اللہ نیکوکاروں کا ساتھی ہے''

مجاہد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کی ہدایت کا وعدہ کرتا ہے۔

4۔حوصلہ شکن افراد کو شکست دینا؛ یہ وہ منافقین ہیں جو دیندار مسلمانوں، علماء، اور اسلامی تحریکوں کی شکل میں ہوتے ہیں اور لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ سے روکتے ہیں۔

5۔ثابت قدمی کے عطیے سے مالا مال ہونا۔

6۔اپنے عقیدے کی خاطر اپنے جان و مال کی قربانی دینا۔

7۔آپ کی سوچ رتصوّر کی کامیابی؛ اصحاب الاخدود کا واقعہ۔

8۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی معجزے کے ذریعے دشمن کو تباہ و برباد کر سکتا ہے۔اس کی عمدہ ترین قدیم مثال فرعون کی ہے اور جدید مثال سوویت یونین کی ہے۔

9۔مجاہدین کے جہاد کی وجہ اہلِ کفر کی آخر کار اپنے کفر پر ہلاکت۔

10۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ مؤمنوں میں سے شہداء منتخب فرماتا ہے۔

11۔میدانِ جنگ میں کامیابی۔

❀❀❀

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾[آل عمران3:139]
''اور ہمّت نہ ہارو، نہ غم کرو، کیونکہ تم ہی سر بلند ہو گے اگر تم مؤمن ہو''

باب ششم

چھٹا عنصر: ہزیمت/ناکامی کی تعریف

- ناکامی کا پہلا مفہوم: کفّار کی پیروی
- ناکامی کا دوسرا مفہوم: کفّار کی بالادستی قبول کر لینا
  - المداھنۃ اور المداراۃ میں فرق
- ناکامی کا تیسرا مفہوم: کفّار کی جانب جھکاؤ
- ناکامی کا چوتھا مفہوم: کفّار کا اتباع
- ناکامی کا پانچواں مفہوم: مایوس ہو جانا
- ناکامی کا چھٹا مفہوم: جہاد کا علم ترک کر دینا
- ناکامی کا ساتواں مفہوم: عسکری کامیابی سے مایوس ہو جانا
- ناکامی کا آٹھواں مفہوم: دشمن کا خوف
- خلاصہ
- طالبان اور حاصلِ کلام

٦ چھٹا عنصر: ہزیمت/ناکامی کی تعریف

ناکامی کا کیا مطلب ہے؟ قتل ہو جانا ناکامی نہیں ہے۔ پھر اس کا مطلب کیا ہے؟ اختلاف اصل میں افکار اور تصورات کا اختلاف ہوتا ہے جو جسمانی جنگ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے افکار سے کنارہ کش ہو جاتا ہے تو یہ ناکامی ہوتی ہے۔ ناکامی کی 8 صورتیں ہیں:

ناکامی کا پہلا مفہوم: کفّار کی پیروی

1۔ یہ پہلی صورت اس آیت میں بیان کی گئی ہے

﴿وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾[البقرۃ 2:120]

”آپ سے یہودی اور نصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے، اور اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم آ جانے کے، پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو تم کو اللہ (کے عذاب) سے (بچانے والا) نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار“

یہاں ناکامی کیا ہے؟ ان کی طرح ہو جانا، ان کا تابع ہو جانا۔ اگر آپ ان میں سے ایک ہو جائیں تو پھر آپ، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایک اور آیت میں فرماتے ہیں، ظالمین (ظالموں) میں سے ہو جاتے ہیں۔ مزید برآں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں کہ پھر اللہ کے مقابلے میں نہ آپ کا کوئی مددگار رہوگا اور نہ کوئی اس سے بچانے والا۔

اگر کوئی مسلمان ہو اور وہ کسی اور نظامِ حیات کا اتباع کر رہا ہو جیسے جدت پسندی، لادینیت (سیکولرازم)، اشتراکیت (کمیونزم) وغیرہ، چاہے یہ اتباع جزوی ہی ہو، تو وہ ناکام ہو جاتا ہے...... حتیٰ کہ اگر اس نظام کی پیروی کرتے ہوئے وہ اعلیٰ معاشرتی مقام و مرتبہ، دولت، اور طاقت حاصل کر لیں۔ کیوں؟ کیونکہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین پر سمجھوتہ کر رہے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم ملک میں بھاری ترین اکثریت سے کوئی انتخابات جیت لے تو یہ کامیابی نہیں ناکامی ہے۔ یہ اس لئے ناکامی ہے کیونکہ آپ نے اپنے دین پر سمجھوتہ کیا ہے، چاہے کم یا زیادہ۔ مسئلہ یہ نہیں کہ آپ طاقت کے منصب تک پہنچ جائیں، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قوانین اور دین طاقت کے منصب تک پہنچیں۔

اور یہ لازمی نہیں ہے کہ ان کے طریقوں کی اتباع کرنے کا کھلم کھلا اعلان کیا جائے، کیونکہ ایسا بہت کم ہی دیکھنے میں آیا ہے۔ یہ آیت اس بات (پیروی) کے اعلان کرنے سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ان کی پیروی کرنا ہے۔ اگر آپ کے الفاظ اور اعمال ان کی پیروی کرنے کے مساوی ہیں تو پھر آپ ان کی پیروی کر رہے ہیں۔

آیت یہود اور نصاریٰ کی بات کر رہی ہے، لیکن جب یہود اور نصاریٰ اپنے ادیان کی ہی پیروی نہ کر رہے ہوں تب کیا ہوگا؟ آیت میں کہا گیا ہے کہ **'جب تک آپ ان کے مذہب (طریقے) کے تابع نہ بن جائیں'** اور **'دین'** کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ اگر آج ان کا مذہب اپنی مقدس کتابوں کو فراموش کر کے خواہشِ نفس کی پیروی اور اکثریت کی اتباع کے اصول پر کاربند ہے تو پھر اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر وہ لادینیت کی پیروی کرتے ہوئے دینی اصولوں کو پامال کرتے اور ان کے بجائے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر عملدرآمد کرتے ہیں تو پھر یہی ان کا مذہب (طریقہ) ہے۔ چنانچہ ان کی پیروی کرنے کے لئے گلے میں صلیب لٹکانا ضروری نہیں۔ مغرب میں انہوں نے اپنے دین کو بہت زیادہ تبدیل کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ، ان کے زعماء دین کے بارے میں مخلص نہیں ہیں؛ وہ سنجیدگی سے دولت، طاقت اور ہوس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ آیت ان کے طریقوں کو اپنانے کی بات کر رہی ہے۔ (نظامِ) جمہوریت کا پرچار کرنا ان کے طریقوں کو اپنانے کے برابر ہے۔ لادینیت (سیکولرازم) کا پرچار کرنا ان کے طریقوں کو اپنانے کے برابر ہے۔

اس امر کا ثبوت کہ کافر ہو جانے کے لئے اس کا اعلان کرنا ضروری نہیں ہے اس (سوال کے جواب) سے ملتا ہے کہ ہم ایمان سے کیا مراد لیتے ہیں؟ ہم اس کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ دل کے اندر، الفاظ میں، اور اعمال میں یقین۔ پس اعمال بھی ایمان کا ایک حصّہ ہیں۔ اسی بات کا اطلاق کفر پر بھی ہوتا ہے۔ یہ دل کے اندر یقین سے متعلق ہوسکتا ہے۔ اس کا تعلق الفاظ سے ہوسکتا ہے۔ اور یہ اعمال میں ہوسکتا ہے۔ پس اگر کسی مسلمان کے الفاظ، اعتقادات، یا/اور اعمال کفّار سے مشابہ ہوں، تو پھر یہ آیت ان پر لاگو ہوتی ہے۔ جب ہم اس تعریف کا استعمال کرتے ہیں تو پھر ہم دیکھتے ہیں کہ کتنے

مسلمانوں پر اس آیت کا اطلاق ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿...وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾

[المائدة 5:44]

''...اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ (پورے اور پختہ) کافر ہیں''

آیت کا اس حصّے میں: '**اور اگر آپ نے (باوجود اپنے پاس علم آ جانے کے پھر) ان کی خواہشوں کی پیروی کی**' خواہشوں سے کیا مراد ہے؟ شیخ یوسف العییری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں خواہشوں سے مراد ان کی خواہشات ہیں اور جو ان کے اعمال کی شکل میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں اور حتی کہ ان کے حلیے سے بھی نظر آتی ہیں۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '**کفّار اس وقت بہت خوش ہوتے ہیں جب مسلمان ان کی اتباع کرتے ہیں، حتی کہ ان چیزوں میں بھی جن کا تعلق حلیے سے ہے۔**' آج ہم ان الفاظ کو سچ ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ جب ہماری مسلمان عورتیں حجاب نہیں پہنتیں تو کفّار بہت خوش ہوتے ہیں، حالانکہ یہ لباس کا معاملہ ہے۔ لیکن ترکی اور فرانس میں انہوں نے اسے ایک بڑا مسئلہ بنا کر اٹھایا۔ آپ دیکھیں گے کہ مغرب میں حقوقِ نسواں کی تحریکیں حجاب کے مسئلے پر بے حد فکرمند ہیں۔ وہ ہمیشہ اس کے متعلق بات کرتیں اور اسے ظلم و جبر کے طور پر دیکھتی ہیں۔ اگر مغرب واقعی آزاد خیال اور وسیع النظر ہے اور آپ کو اپنی مرضی کے مطابق لباس پہننے کی گنجائش فراہم کرتا ہے تو پھر وہ اس خاص مسئلے کے خلاف کیونکر ہیں جبکہ وہ ان نصرانی راہباؤں کے خلاف نہیں جو کہ اس سے ملتا جلتا (باپردہ) لباس پہنتی ہیں؟ یہ مسئلہ انہیں کیونکر اتنی تکلیف دے رہا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ جب عورتیں دھنک رنگوں اور حیا باختہ لباسوں میں ملبوس ہوتی ہیں تو وہ اسے قابلِ قبول سمجھتے ہیں، لیکن جب کوئی مسلمان عورت اپنی مرضی سے حیادار لباس میں ملبوس ہونا چاہتی ہے تو یہ چیز انہیں فکرمند کرتی ہے۔ پس انہیں ہماری بہت فکر ہے کہ ہم کس طرح کا لباس پہنتے ہیں اور کیسے دکھائی دیتے ہیں۔

ناکامی کا دوسرا مفہوم: کفّار کی بالادستی قبول کر لینا

2۔اللہ ﷻ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ﴾[القلم 8:68]

''پس تو جھٹلانے والوں کو نہ مان''

کفّار کی اطاعت نہ کرو۔پھر اللہ ﷻ فرماتے ہیں:

﴿وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ﴾[القلم 9:68]

''وہ چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں''

ہمارا دین سب سے منفرد ترین دین ہے۔کئی ادیان میں دینی قیادت کو بعض احکامات میں رد و بدل کرنے کی گنجائش موجود ہے مگر اسلام میں ہمیں صرف اسی چیز کی اتباع کرنی ہے جو ہمیں بتا دی گئی ہے۔ہم تابعین ہیں اور مبتدی (بدعتیں تراشنے والے) نہیں ہیں۔لہٰذا ہمارے پاس اسلامی احکامات میں رد و بدل کرنے کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے کیونکہ وہ منجانب اللہ ﷻ ہیں۔

کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ان سے سمجھوتہ کرنا چاہا۔لیکن مسئلہ یہ تھا کہ یہ ان ﷺ کا نہیں بلکہ اللہ ﷻ کا دین تھا۔لہٰذا وہ کسی طور پر بھی سمجھوتہ نہیں کر سکتے تھے۔جب کفّار محمد ﷺ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: **'تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے کہ ہم ایک دن اللہ کی عبادت کریں اور تم ایک دن ہمارے معبودوں کی عبادت کرو؟'** رسول اللہ ﷺ نے یہ پیشکش ٹھکرا دی۔انہوں نے کہا: **'اچھا ٹھیک ہے، پھر تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے کہ ہم اللہ کی ایک ہفتے کے لئے عبادت کریں اور تم ہمارے معبودوں کی ایک دن کے لئے عبادت کرو؟'** رسول اللہ ﷺ نے یہ پیشکش بھی ٹھکرا دی۔انہوں نے کہا: **'چلو پھر اس بارے میں کیا خیال ہے کہ ہم اللہ کی ایک مہینے کے لئے عبادت کریں اور تم ہمارے معبودوں کی ایک دن کے لئے عبادت کرو؟'** انہوں نے اپنے دین کا تماشا بنایا ہوا تھا۔رسول اللہ ﷺ مستقل نا کر رہے تھے۔وہ اس دین کا پیغام من وعن پہنچانے آئے تھے نہ کے اسے تبدیل کرنے آئے تھے۔لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کچھ مسلمان ایسے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ ﷻ کے دین سے کھیلنے کا حق دے رکھا ہے؛ ایسا کرنے کی وجہ سے وہ خسارے میں ہیں اور ناکام ہو چکے ہیں۔

’یو ایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ‘ کی ایک تحقیقاتی رپورٹ امریکی حکومت کی ان کوششوں کا تذکرہ کرتی ہے جو یہ عالمِ اسلام کے قلوب واذہان کو فتح کرنے کے لئے کر رہی ہے اور یہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کا جزوِ لاینفک ہیں، اور کس طرح جنگ کا ایک غیبی/ان دیکھا رُخ بھی جاری وساری ہے، جو اگر میدانِ جنگ میں ہونے والی کشمکش سے زیادہ اہمیت کا حامل نہیں تو اس سے کم بھی نہیں (یعنی برابر یا زیادہ اہمیت کا حامل ہے)۔ یہ رپورٹ بیان کرتی ہے کہ امریکی حکومت انتہاء پسندوں کے ساتھ بیٹھ کر مذاکرات کرنے کے لئے تیار ہے مگر بشرطیکہ وہ دو باتیں ماننے کے لئے تیار ہوں تو: جمہوریت کے قوانین کے مطابق چلیں اور دہشت گردی کے خلاف جنگ میں حصّہ لیں۔ یا ایسے ہے کہ جیسے وہ کہہ رہے ہوں، ’اگر تم امریکی جمہوریت کو ماننے کو تیار ہو، تو پھر ہم تمہارے ماضی کو معاف کرنے کو تیار ہیں اور ہم تمہارے ساتھ بیٹھ کر بات چیت کرنے کو تیار ہیں، یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم مسلمان انتہاء پسند ہو۔‘ ان کے پاس یہ سمجھوتے کرنے اور داؤ پیچ رکھیل کھیلنے کی صلاحیت ہے۔ چہ جائیکہ، ایسے بہت سے مسلمان اور اسلامی جماعتیں ہیں جنہوں نے یہ پیشکش قبول کر لی اور امریکی حکومت سے مل جل کر کام کرنے کے ممکنہ طریقوں کے متعلق گفت وشنید کی۔ ان اسلامی تحریکوں کے پاس یہ جواز تھا کہ وہ ایسا دعوت وتبلیغ کے فائدے کے لئے کر رہے ہیں۔ یہ محض عمومی بیانات ہیں جو کسی بھی موقع پر استعمال کیے جا سکتے ہیں، حتیٰ کہ کسی غیر اسلامی مقصد کے لئے بھی۔ آپ کفّار سے جو بھی فائدہ حاصل کر لیں، وہ بیکار ہی رہے گا۔ اللہ ﷻ کو ایسے لوگ نہیں چاہئیں جو کفّار کے ساتھ اس کے دین پر سمجھوتہ کریں، تا کہ عزّت اور طاقت حاصل کر سکیں۔

کیا اس بات کی کوئی منطق بنتی ہے کہ ربِّ کونین کو کفّار کے اذن فراہم کرنے کے نتیجے میں طاقت کی ضرورت ہے؟ اللہ ﷻ کا دین صرف اس وقت طاقتور ہوگا جب یہ کفّار کی تذلیل کرے گا۔ یہ ہے وہ طریقہ جس کے ذریعے اللہ ﷻ اپنے دین کی سرخروئی چاہتا ہے۔ اللہ ﷻ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَ دِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾[الصف 9:61]

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اسے اور تمام ادیان پر غالب کر دے اگر چہ مشرکین ناخوش ہوں''۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں:

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾[الصف 8:61]

''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا ہے گو کافر برا مانیں''۔

کفّار کو چاہے یہ اچھا لگے یا نہ لگے، یہ دین سربلند ہو گا۔ہمیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے ان کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے،اور بحیثیت مسلمان ہمیں اس کی پرواہ بھی نہیں کرنی چاہئے۔ہمیں ان سے اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ ہماری دعوت وتبلیغ کو قبول کریں؛اگر وہ قبول کر لیں تو الحمدللہ۔اگر وہ نہ قبول کریں تو یہ ہماری غلطی یا کوتاہی نہیں ہے۔یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مقدر کی ہوئی بات ہے۔انہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قانون کے سامنے سرنگوں ہونے دیں.اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾[التوبة29:9]

''جو اہلِ کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روزِ آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں''۔

دورِ جاہلیت کے مکّہ اور آج کے مغرب میں حیران کن حد تک مشترک قدریں ہیں۔قریش کے کفّار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا:**'تم ہمارا پیچھا چھوڑ دو تو ہم تمہارا پیچھا چھوڑ دیں'**۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاکَ لَقَدْ کِدْتَ تَرْکَنُ إِلَیْهِمْ شَیْئًا قَلِیلًا﴾

[الاسراء 74:17]

''اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بہت ممکن تھا کہ ان کی طرف قدرے قلیل مائل ہو ہی جاتے''۔

- المداهنة اور المداراة میں فرق

مداهنة سے مراد ہے کفّار کے ساتھ نرم ہونا یا سمجھوتہ کرنا، جبکہ مداراة کی اجازت ہے۔ دونوں میں فرق کیا ہے؟ ابن حجر اور القرطبی رحمہما اللہ بیان کرتے ہیں کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مداراة کا مطلب ہے اپنے دین کی خاطر تھوڑی سی دنیا دے دینا، جبکہ ''مداهنة'' اپنا تھوڑا سا دین اپنی دنیا کے عوض بیچ دینا ہے۔ مثال کے طور پر، آپ ایک کافر کو کھانے پر مدعو کرتے ہیں تاکہ اس کو دین کی دعوت دے سکیں۔ یہاں آپ نے کھانا وغیرہ و دیگر لوازمات خریدنے پر پیسے خرچ کر کے دین کی خاطر اپنی تھوڑی سی دنیا دی ہے۔ اس کی اجازت ہے۔ یہ مداراة ہے۔ تاہم، فرض کریں آپ کا افسر ایک غیر مسلم ہے اور آپ جانتے ہیں کہ آپ کی تنخواہ اس کے ذریعے آپ تک پہنچتی ہے (اگرچہ کہ آپ کی تنخواہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے آتی ہے)۔ سو وہ آپ کے پاس آتا ہے اور آپ سے پوچھتا ہے کہ 'یہ جہاد کیا چیز ہے؟ کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ جہاد کا مطلب کیا ہے؟' آپ اسے بتاتے ہیں کہ 'اپنے آپ / نفس کے خلاف جدوجہد کرنا جہاد ہے، اور اسلام میں ایسی کوئی بات نہیں جو تشدد کی اجازت دے۔' یہاں آپ اپنی دنیا کی خاطر اپنے دین پر سمجھوتہ کر رہے ہیں۔ اس کی اجازت نہیں ہے۔ یہ مداهنة ہے۔ یہ ہے ان دونوں میں فرق۔

ناکامی کا تیسرا مفہوم: کفّار کی جانب جھکاؤ

3۔ ناکامی کا تیسرا مفہوم کفّار کی جانب جھکاؤ ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِنْ کَادُوا لَیَفْتِنُونَکَ عَنِ الَّذِي أَوْحَیْنَا إِلَیْکَ لِتَفْتَرِيَ عَلَیْنَا غَیْرَهُ وَإِذًا لَاتَّخَذُوکَ خَلِیلًا﴾ [الاسراء 73:17]

’’یہ لوگ آپ کو اس وحی سے جو ہم نے آپ پر اتاری ہے بہکانا چاہتے کہ آپ اس کے سوا کچھ اور ہی ہمارے نام سے گھڑ گھڑا لیں، تب تو آپ کو یہ لوگ اپنا ولی دوست بنا لیتے‘‘۔

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْلا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا﴾[الاسراء 74:17]

’’اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بہت ممکن تھا کہ ان کی طرف قدرے قلیل مائل ہو ہی جاتے‘‘

پس کفّار کی جانب جھکاؤ ناکامی کی ایک صورت ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لا تُنْصَرُونَ﴾[ھود 113:11]

’’دیکھو ظالموں کی طرف ہرگز نہیں جھکنا ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ لگ جائے گی اور اللہ کے سوا اور تمہارا مددگار نہ کھڑا ہو سکے گا اور نہ تم مدد دیئے جاؤ گے‘‘

اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہاں ہمیں ایک سخت تنبیہ فرما رہے ہیں کہ کفّار کی جانب جھکاؤ ہمیں جہنم میں لے جائے گا۔

ناکامی کا چوتھا مفہوم: کفّار کا اتّباع

4۔ناکامی کا چوتھا مفہوم کفّار کی اتباع کرنا ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلاتُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا﴾[الكهف 28:18]

’’اور اپنے آپ کو انہیں کے ساتھ رکھا کر جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں اور اسی کے

چہرے کے ارادے رکھتے ہیں (رضا مندی چاہتے ہیں)، خبردار! تیری نگاہیں ان سے نہ ہٹنی پائیں کہ دنیاوی زندگی کے ٹھاٹھ کے ارادے میں لگ جا، دیکھ اس کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے"۔

ناکامی کا پانچواں مفہوم: مایوس ہو جانا

5۔ ناکامی کا پانچواں مفہوم اللہ ﷻ (کے دین) کی فتح سے دستبردار ہو جانا؛ ہمت ہار دینا اور ناامید ہو جانا ہے۔ یہ ایک ایسی ذہنی حالت ہے جو ایمان کے منافی ہے۔ آپ کس طرح یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ قوی و عزیز ہے اور پھر فتح سے ناامید ہو سکتے ہیں؟ یہ کفّار کی خاصیت ہے۔ وہ ہمت ہارتے ہیں، لیکن ایک مسلمان کو کبھی بھی ہمت نہیں ہارنی چاہیئے۔ اگر آپ ذہنی طور پر کامیابی کے لئے تیار ہیں تو پھر آپ بالآخر اللہ ﷻ کی توفیق سے کامیاب ہی ہوں گے۔ فتح سے مایوس اور ناامید ہونا ایک بہت بڑا گناہ ہے۔

کفّار نے آج ملٹری (عسکری) اور میڈیا (ذرائع ابلاغ) کی جو بھاری بھرکم مہم جوئی شروع کر رکھی ہے، اس نے بہت سے مسلمانوں کے مایوس اور ناامید کر دیا ہے۔ کچھ مسلمانوں نے مجاہدین کی اعانت اس وجہ سے ترک کر دی ہے کہ بظاہر یہ ایک ہاری ہوئی بازی ہے۔ وہ خود سے یہ کہتے ہیں کہ 'میں کیوں اپنے پیسے ان مجاہدین پر خرچ کروں، یہ تو کبھی بھی اتنے طاقتور دشمن کے خلاف کامیاب نہیں ہوں گے جس کے پاس نیوکلیئر ہتھیار اور پرشکوہ افواج ہیں؟ یہ مجاہدین کس طرح جیت سکتے ہیں جب کفّار کے پاس اتنا طاقتور میڈیا ہے اور مسلمانوں کے پاس لوگوں تک اپنی آواز پہنچانے کے لئے کوئی میڈیا نہیں ہے؟' یہ تاریک خیالات اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ یہ مسلمان اللہ ﷻ سے مایوس ہو چکے ہیں۔ یہ مسلمان کامیابی کو صرف میدانِ جنگ میں کامیابی کے طور پر سمجھتے ہیں لہٰذا یہ مایوس ہو جاتے ہیں۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ امت میں بے شمار ایسے ہیں جو دشمن کے خلاف کھڑے ہوئے بغیر اور

لڑے بغیر ہی ہار مان چکے ہیں۔ میڈیا کی مہم جو پوری امّت میں پھیل رہی ہے، مسلمانوں کے بغیر کوشش کیے ہی مایوس ہو جانے کا سبب بن رہی ہے۔ پھر جب وہ ذہنی طور پر شکست کھا لیتے ہیں تو پھر وہ اس شکست کو جواز فراہم کرنے کے لئے اسلامی دلائل تلاش کرتے ہیں۔ اور پھر وہ اپنے نقطہ نظر کو درست ثابت کرنے کے لئے ثبوت لانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دشمن چاہے کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو، ایک مسلمان کو کبھی بھی فتح سے دستبردار نہیں ہونا چاہئے؛ قطعاً کبھی بھی نہیں! اگر ہم اس احساسِ شکست کو اپنے دلوں میں آنے دیں گے تو پھر ہم اس عظمت سے محروم رہ جائیں گے جو اللہ ﷻ نے میدانِ جنگ میں ہار جانے کے باوجود ہمارے لئے بیان کر رکھی ہے، جیسا کہ غزوۂ اُحد کے واقعے میں اللہ ﷻ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾

[آل عمران 139:3]

''اور ہمّت نہ ہارو، نہ غم کرو، کیونکہ تم ہی سربلند ہو گے اگر تم مؤمن ہو''۔

اگر ہم حقیقی مؤمن ہونے کے دعویدار ہیں تو پھر ہمیں فتح سے مایوس ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

ناکامی کا چھٹا مفہوم: جہاد کا علَم ترک کر دینا

6۔ جہاد کا علَم ترک کر دینا ناکامی ہے۔ ہمارے دشمن ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ دشمن کو ہماری نمازیں پڑھنے اور ماہِ رمضان کے روزے رکھنے سے غرض نہیں ہے۔ وہ ایک چیز جسے دشمن روکنا چاہتے ہیں وہ جہاد ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اب اور جہاد نہ ہو۔ اگر ہم انہیں وہ مہیا کر دیں جو وہ چاہتے ہیں تو پھر ہم ناکام ہو چکے۔ وہ اسی چیز کے متقاضی ہیں۔ ہر وہ مسلمان جو آج جہاد فی سبیل اللہ نہیں لڑ رہا وہ دشمن کو یہ فتح مفت میں فراہم کر کے اس کی مدد کر رہا ہے۔ بہت سے مسلمان کہیں گے کہ 'جس لمحے ان کفّار کو پتہ چلے گا کہ آپ جہاد فی سبیل اللہ کرنا چاہتے ہیں تو بس پھر آپ کی نگرانی کی جائے گی اور وہ آپ کی زندگی مشکل کر دیں گے۔' یہ کوئی عذر نہیں ہے۔ اگر وہ آپ کو نماز کی ادائیگی سے روکیں گے تو کیا آپ ان کی

بات مان لیں گے؟ اگر وہ آپ کے حجاب پہننے پر پابندی عائد کر دیں گے تو کیا آپ ان کا کہا مان جائیں گے؟ لہٰذا، جہاد کی کسی بھی صورت کو ترک کرنا...... چاہے وہ عقیدے کی صورت ہو یا نظریات کی صورت یا پھر ہتھیار اٹھا کر جہاد فی سبیل اللہ لڑنے (قتال) کی صورت...... نا کامی کی علامت ہے۔

نا کامی کا ساتواں مفہوم: عسکری کامیابی سے مایوس ہو جانا

7۔ عسکری کامیابی سے نا امید ہونا نا کامی ہے۔ یہ نا کامی کی مذکورہ بالا پانچویں صورت کے مماثل ہے۔

نا کامی کا آٹھواں مفہوم: دشمن کا خوف

8۔ دشمن کا خوف موت ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ [آل عمران 175:3]

''یہ خبر دینے والا شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو اگر تم مومن ہو''۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ الطآئفۃ المنصورہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿...وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ...﴾ [المائدۃ5 :54]

''...اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے...''

عسکری شکست کے بعد مسلمانوں کو یہ نہیں کہنا چاہئے کہ 'ہماری شکست کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے تیاری نہیں کی تھی۔' اگرچہ کہ یہ معاملہ وضاحت طلب ہے، لیکن ہم اس پر صرف ایک زاویے سے بات کریں گے......اس مفروضے کے ساتھ کہ مسلمانوں نے اپنے طور پر بہترین تیاری کر رکھی ہے۔ اگر آپ نے اپنے طور پر حتی الوسع تیاری کی ہے تو پھر نتیجے کا الزام تیاری کے فقدان کو دینا غلط ہے۔ وہ کیوں؟ وہ اس لئے کہ تیاری کے اعداد (یعنی اسلحہ جات، جسمانی تربیت وغیرہ) کامیابی کے اسباب

نہیں ہوتے۔اللہ ﷻ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ﴾[التوبة 25:9]

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سے میدانوں میں تمہیں فتح دی ہے اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جب کہ تمہیں تمہاری کثرت نے کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر کر مڑ گئے''۔

جب مسلمانوں نے سمجھا کہ وہ تعداد میں کثیر ہیں اور اس ظاہری حجم کی وجہ سے جیت جائیں گے، تبھی وہ شکست کھا گئے۔یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب مسلمان تعداد میں کم ہوتے ہیں تو کامیاب ہوتے ہیں اور جب تعداد میں زیادہ ہوتے ہیں تو ناکام ہوتے ہیں۔لہٰذا ہمیں ناکامی کا الزام کم تعداد کو نہیں دینا چاہیے۔اللہ ﷻ فرماتے ہیں:

﴿أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[آل عمران 165:3]

''(بھلا یہ) کیا (بات ہے کہ) جب (اُحد کے دن کافروں کے ہاتھ سے) تم پر مصیبت واقع ہوئی حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دوچند مصیبت تمہارے ہاتھ سے ان پر پڑ چکی ہے، تو تم چلّا اٹھے کہ (ہائے) آفت (ہم پر) کہاں سے آ پڑی، کہہ دو کہ یہ تمہاری ہی شامت اعمال ہے (کہ تم نے پیغمبر کے حکم کے خلاف کیا) بیشک اللہ ہر شے پر قادر ہے''۔

پس میدانِ جنگ میں ناکامی متعدد وجوہات کی وجہ سے ہوسکتی ہے:

ا۔اللہ ﷻ آپ کو آزمانا چاہتے ہیں

ب۔اللہ ﷻ آپ کا تزکیہ (پاکی وصفائی) کرنا چاہتے ہیں

ج۔آپ اپنے گناہوں کی وجہ سے شکست خوردہ ہوئے

تاہم، یہ (شکست) تعداد کی کمی کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ یہ قیافہ لگانا غلط ہے کہ افغانستان میں مجاہدین نے عالمی کفر کے خلاف جنگ میں اپنی افواج کو تعداد اور ساز و سامان کی کمی کے باعث واپس بلا لیا تھا۔ یہ قیافہ لگانا ایک غلطی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اس امر کی ضرورت نہیں تھی کہ مجاہدین تعداد اور تیاری میں دشمن کے برابر ہوتے، بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ہم سے یہ تقاضا تھا کہ اپنے طور پر بہترین تیاری کرنے میں کوئی کسر روا نہ رکھتے، چاہے وہ دشمن کی تیاری کے برابر، زیادہ، یا بہت کم ہی کیوں نہ ہوتی (لیکن فی نفسہٖ ہماری حتی الوسع کوشش ہوتی)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّة...﴾ [الانفال 60:8]

''اور تم سے جتنا ہو سکے ان کے (مقابلے کے) لئے قوت تیار کرو...''

پس ہمیں تیاری کے معاملے میں اپنے طور پر حتی الوسع بہترین کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر اس کا مطلب اپنے دشمن کا دس گُنا ہونا ہے یا سو گُنا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کلیے/قاعدے کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ دشمن کے پاس کیا ہے بلکہ کلیے/قاعدے کی بنیاد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کی پیروی ہے، جس میں تیاری شامل ہے۔ حتیٰ کہ اگر ہماری استطاعت دشمن کی اصل طاقت کا محض 1/10 حصّہ ہی کیوں نہ ہو، پر ہم وہ کر چکے جس کا حکم اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی شریعت میں ہمیں دے رکھا ہے؛ پس ہم اس سے زیادہ کے لئے جوابدہ (مکلّف) نہیں۔

خلاصہ

آیئے ناکامی کی 8 صورتوں کا ایک طائرانہ جائزہ لیں:

1۔ کفّار کے طریقوں کی پیروی کرنا؛ چاہے ان کے دین کی ہو، یا طرزِ زندگی کی، یا سوچ و فکر وغیرہ کی۔

2۔ کفّار کی بالادستی قبول کر لینا؛ ہمیں ان کو دینِ اسلام کے ذریعے کمتر کرنا ہے نہ کہ (اسلام کے لئے) ان سے اجازت نامہ لینا ہے

3۔ کفّار کی جانب جھکاؤ

4۔ کفّار کا اتّباع

5۔ کامیابی سے مایوس ہو جانا؛ اس سوچ کا فقدان اللہ ﷻ تمام تر قوت اور طاقت کا سر چشمہ ہے اور وہ جسے چاہے کامیابی سے ہمکنار کر دے

6۔ جہاد کا علَم ترک کر دینا۔ اگر وہ روزوں پر پابندی عائد کر دیں تو کیا آپ روزے رکھنے ترک کر دیں گے؟

7۔ عسکری کامیابی سے ناامید ہو جانا

8۔ اللہ ﷻ کے خوف کے بجائے دشمن کا خوف

طالبان اور حاصلِ کلام

طالبان نے اس وقت قوت مجتمع کی جبکہ دوسرے مسلمان اس میں ناکام رہے، حالانکہ طالبان دشمن کی قوت کا اندازہ رکھتے تھے۔ باوجودیکہ، انہوں نے اس جنگ میں کود جانے کا فیصلہ کیا کیونکہ وہ اس بات کا اچھی طرح فہم وادراک رکھتے تھے کہ کامیابی کا انحصار اس بات پر نہیں ہے کہ آپ کے پاس کون سے اسلحے ہیں، بلکہ کامیابی کا انحصار اللہ ﷻ کے کرم پر ہے۔

یہ عناصر اور اصول جن پر ہم نے روشنی ڈالی، کامیابی کی جانب پہلا قدم ہیں، کیونکہ ان عناصر اور اصولوں کے متضاد وہ افکار ہیں جو امّت کے جوش و ولولے اور طاقت کو نیست و نابود کر دینے والے ہیں۔ لہٰذا، ہمیں ان افکار سے قطعی چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔ جہاد کے متعلق درست فہم، طرزِ فکر، اور عقیدے کا ہونا کامیابی کی جانب پہلا قدم ہے اور اس کے بغیر کامیابی کا کوئی امکان نہیں کیونکہ یہ عقائد کی جنگ ہے، یعنی حق و باطل کی جنگ۔

نتائج میں ناکامی غلط حکمتِ عملی یا غلط اسباب کی علامت نہیں۔ عین ممکن ہے کہ درست اسباب ہوں اور الٹ نتائج برآمد ہو جائیں۔ ہم اس کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ ہمارے نتائج حسبِ توقع نہیں آئے اس لئے ہمارا منصوبہ غلط ہے۔ یہ ایک درست فہم نہیں ہے۔

ہم اللہ ﷻ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں میں سے بنا دے جو علم سیکھنے کے بعد اس پر

عمل کرتے ہیں، کیونکہ علم حاصل کرنے کا مقصد اس پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں شہداء کی صفوں میں قبول فرمالے(آمین)۔ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں جنّت الفردوس میں داخل ہونے والوں میں شامل کرلے۔ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمارے خون اور ہماری کوشش کو روزِ محشر ہمارے حق میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری محبت اور ان کی اطاعت پر گواہ بنادے۔

آمین یا رب العالمین!

ترجمہ: بنت الاسلام حفظہا اللہ

اخوانکم فی الاسلام:

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

Website : http://www.muwahideen.tk

Email : info@muwahideen.tk